



U19712

P 271-10

- - MARD- $\xi$  - Pom1N.

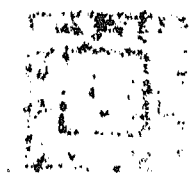
after - Meer ueli uelohin

githun - kitha manzil (value)

ut -

gs - 212.

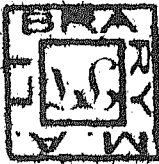
shere -



سلسلہ مطبوعات نمبر ۵۵

# مردِ مومن

ڈاکٹر میر ولی الدین



”کتاب منزل لاہور“

۲۹۷  
۱۹۷۱۲ ۲۳۳۹ و  
مجله حقوق محفوظ CHECKED 2002

مصنف ..... میر ولی الدین  
طابع ..... شیخ نیاز احمد  
ناشر ..... کتاب منزل لاہور  
مطبع ..... علمی پرنٹنگ، پریس لاہور  
اشاعت ..... موسم  
قیمت ..... دو روپے چار آنے

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U19712



358

لیکچر نمبر ۱۵۱۰

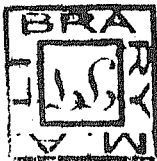
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

## انتساب

میں اپنی اس پیشکش کو سولائی و آقائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
قبلہ مرحومہ معذور کے اسم گرامی پر جن کے فیضانِ توحید و برکات  
تبریتِ کالیہ بہ راست نتیجہ ہے۔ ہمدیاتِ تشکر و امتنان کے ساتھ  
معنون کرتا ہوں

مہرِ حریص در طلبِ کیا گزشتہ مارا قبولِ اہلِ نظر کیا بس است

میر ولی الدین





## عرض ناشر

ڈاکٹر میر دلی الدین صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں صاحب موصوف  
 مذہب اور دینداری کے تندرہ پیکر ہیں۔ اور ان کی فیض صحبت سے ان کے  
 بیسیوں طالب علم صنتہ اللہ میں رنگے جا رہے ہیں رات دن کے اس مشغولہ  
 سے ان کو انسانی کردار کی تعمیر کا ایسا ملکہ حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اس کی نفسیاتی  
 کمزوریوں اور امراض کی تشخیص کر کے قرآن کے ذریعہ ان کے بہترین علاج تجویز  
 فرماتے ہیں۔ مزید برآں اپنے مقالات میں جا بجا احادیث اور صوفیائے حقہ قدس  
 کے اقوال لغز و نثر سے بکثرت استشہاد فرماتے ہیں اور یاد جو دیکہ ڈاکٹر صاحب  
 ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) باریٹ لا اور جامعہ عثمانیہ میں مغربی  
 فلسفہ کے صدر شعبہ وغیرہ سب کچھ ہیں۔ لیکن مقالات سے ظاہر ہوتا  
 ہے کہ تصوف قرآنی کے کسی رنر شناس عارف کے قلم سے یہ سطور نکلی ہیں



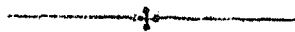
بہر حال یہ کتاب فلسفہ، تصوف اور ادب کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔ ان مقالات کے متعلق وقتاً فوقتاً ہندوستان کے موقر رسائل نے جو نقد و تبصرہ کیا ہے، وہ اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں۔

غیر منقسم ہندوستان میں یہ مجموعہ ”قرآن اور سیرت سادہ“ کے نام سے محدود تعداد میں طبع ہوا تھا۔ لیکن اب پاکستان کی نئی ضروریات و تقاضیات کے پیش نظر یہ مجموعہ ”مرد مومن“ کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

ناشر

# فہرست عنوانات

۹	تہذیب.....
	اصول موضوعہ.....
۱۲۷	عبادت و استغاثت.....
۵۵	نیکی علم ہے.....
۵۶	اصول موضوعہ کا استعمال.....
۷۰	قرآن اور سیرت سازی.....
۱۰۲	تصحیح فکر.....
۱۱۰	قانون تجارت اور سیرت سازی.....
۱۲۰	قرآن اور علاج خوف.....
۱۳۶	قرآن اور علاج حزن.....
۱۴۹	قرآن اور علاج حزن.....
۱۶۲	قرآن اور علاج غضب.....
۱۷۷	کامیاب زندگی کا قرآنی تصور.....





## تہمید

پیش نظر کتاب بظاہر ایک کثرت ہے اور یہ کثرت مختلف موضوع کے اظہار خیالات پر مشتمل ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف تصورات کو واحد نصب العین کے زیر اثر پیش کیا گیا تھا اور اب انہیں یک جا حاضر کر دیا گیا ہے لیکن نصب العین کی غیبت ہی وہ وحدت ہے جو اس کثرت میں متعلق ہے اور انہیں ایک شیرازہ میں باندھ رکھا ہے۔ اس نصب العین کو یہاں مختصراً پیش کرنا مقصود ہے عہد حاضر کے نوجوانوں کا خیال ہے کہ دین معاملہ ہے ان چند ناکامیاب افسردہ دل، آتش نہ دماغ ضعیف کا جن کے ناتھ سے دینا نکل چکی ہے، جن میں متعارض دنیوی سے محفوظ ہونے کی نہ قابلیت باقی رہی ہے اور نہ خواہش یہ سرت و شادمانی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ چکے ہیں اور حزن و غم کے آغوش میں ان کے دل گزر رہے ہیں! دنیا میں کامیابی، کامرانی، مسرت و راحت کا حاصل کرنا دنیوی اصول کے عاقلانہ استعمال ہی سے ممکن ہے۔ دینی اصول کو ان میں کیا جھل ہے۔ شاید قبر کے اس طرف ان کا کام پڑتا ہو تو ہوا!

پیش نظر اوراق میں اس مغالطہ کو اس کی تمام تعصبات میں رفع

① کرنے کی کوشش کی گئی ہے اصولاً بتلایا گیا ہے کہ کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے سیرت کی تعمیر ضروری ہے اور حبیب تک سیرت کی تعمیر قرآنی اصول پر نہ ہو دنیا میں کامیابی و کامرانی کے ساتھ چین و طمانیت کا جمع ہونا ممکن نہیں کامیابی محض مال یا بی کا نام نہیں، بلکہ مراد ہے طمانیت روح اور برہنہ کی جو محض مالیات کو کسی طرح حاصل نہیں ہوتی۔ واضح کیا گیا ہے کہ دنیوی عقل میں روشنی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ حرص و ہوس سے آزاد ہو کر علم وحی کے تابع ہو جاتی ہے اور حقیقت میں عاقل و بالغ وہی ہے جو ہوس و ہوس سے آزاد ہے۔

خلق اطفال اندر حسرت خدا      نیست بالغ جز یہیدہ از ہوس  
(روحی)

② (کامیابی و کامرانی، سیرت و طمانیت اس مردِ حر کا انعام ہے جس نے اپنی عقل کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل پر قربان کر کے اپنی ذات میں تعوی کے اوصاف پیدا کر لئے ہیں اور حق تعالیٰ کو مہمات دینی و دنیوی میں کافی تصور کیا ہے۔)

الْبَيْسُ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَكَ -

عقل قربان کن پیشِ مصطفیٰ      حبیبی اللہ گو کہ اللہ اسمِ کفنی  
نہیں خود جاہل ہی باید شدن      درست در دیوانگی باید شدن  
اورست دیوانہ کہ دیوانہ شد      ایس مسس را دید در خانہ نشد  
(روحی)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اسی طریقہ سے تسخیر جہات میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ان کے شکوہ و جلال سے سلاطین کا پلٹنے سے انہوں نے ہریت و آزادی کا تسلط دنیا میں قائم کر دیا اور جبر و استبداد کا خاتمہ کر دیا۔ اتفاقاً اسی اسودہ پر ایک بار پھر زندگی کو مرتب کرنے کی ضرورت پڑی اور ان اوراق کا مقصد عہد حاضر کے نوجوانوں کو اس کی طرف دعوت دینا اور اس کی تفصیلات کو ان پر واضح کرنا ہے۔

خودنوشت کو اس اسودہ کی طرف کچھ سال قبل ایک عارف تامم المورث نے بلایا اور اپنی زبان فیض ترنیاں سے اس کی تفصیلات کو سمجھایا اور سات سال کے دوران میں مختلف اوقات میں ہر خبری کی کلی وضاحت فرماتے رہے۔ مغربی و مشرقی فلسفہ کے گہرے مطالعہ سے جس دماغ نے تربیت پائی تھی، اور جس کی عقل کو بقول اقبال "تفتد سے فرصت نہ تھی، اور جو بالآخر عقل کی گتیموں کو سلیمانے سے عاجز آگیا تھا اس "صاحب جزا" نے اپنے ایک نکتہ سے کہ عقل تابع وحی ہو کر ہی اپنے ہوتل سے نجات پاسکتی ہے، آلات و منات کی بندگی سے آزاد ہو سکتی ہے اس کو "دل نیازمند و نگاہ پاک یاز" کا شہد اگر دیا جو حاصل معرفت کا واحد طریقہ ہے، اس نکتہ کے قلب میں اترنے کے بعد وہی ہوا جس کی اقبال نے خبر دی تھی۔

۱۲۲۹ء پیرا اشارہ ہے مولائی و آقائی حضرت محمد حسین صاحب قندیلک طرف ہے جو ۱۲۲۷ء میں لاہور سے بھاگے اپنے فراق میر تقی میر پر مبنی اعلیٰ سے بھاگے خدو ح و دلیان حبیب نعیم۔

چہل بجاں در رفت جاں دیگر شود      جاں چہ دیگر شد چہاں دیگر شود  
 اس روحانی انقلاب کے بعد چہاں جیسا نظر آئے لگا اس کو ان صفات  
 میں پیش کیا گیا ہے۔ اولاً اصول موضوعہ کو پیش کیا گیا ہے، ان کو اپنی ہمت اور  
 اختیار کے استعمال سے عمل میں لانے کی تاکید کی گئی ہے، پھر ان ہی اصول کو  
 مختلف مسائل کے حل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ سیرت سازی کے لئے  
 خوف و حزن و غضب کے دفعہ کے لئے، کامیاب زندگی کے لئے، طمانیت  
 و برد قلبی کے حصول کے لئے۔ ان نسخوں میں سے اکثر کو مخالف کے صفات  
 میں پیش کیا گیا اور اہل ملک نے اس کو پسند بھی فرمایا ہے یہاں یہ سب یک جا  
 حاضر ہیں۔ یہ اس دل کا سوغات ہیں جو عقل کا غلام نہیں۔  
 جس ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے      جو عقل کا غلام ہے وہ دل نہ قبول  
 (اقبال ۴)

مگر زبان عقل کی ہے، تصورات و تعلقات سب عقلی ہی ہوتے ہیں اور انہی  
 میں مفہومات روحانی کو پیش کیا جاسکتا ہے، لہذا مفہوم مفہوم ہے نہ کہ زبان  
 جو محض قریب ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

۲۷۔ مارچ ۱۹۳۵ء

(سیر ولی الدین)

# أُصُولُ مَوْضُوعَةٍ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عبادت و استعانت

اُسے درودِ دل میں اصل تھا اہمہ تو      اُسے دوسرے میں بایہ سودا اہمہ تو  
ہر چند بیرونِ گار و حی شکر م      امروز ہنہ توئی و فردا اہمہ تو  
(الوسید مہنہ)

انسان بلکہ تمام حیوانات کی زندگی کا پہلا قانون جہلِ منفعت و دفعِ مضر ہے، محفوظ ذات اور تولیدِ نسل دونوں کے لئے ضروری ہے تاکہ یہ ان چیزوں کی طلب کرے جو اس کی زندگی کے حفظ و بقا میں عمد و معاون ہیں، اور ان چیزوں سے گریز کرے جو اس کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں، یا قدرتِ حیات کی تحدید کا باعث ہوتی ہیں۔ اشیاء کی ابتدائی تقسیم اسی نقطہ نظر سے کی جاتی ہے اشیاء یا تو نافع ہیں یا ضار، مفید ہیں یا نقصان رساں، اچھی ہیں یا بُری، افسوسیت پر حسب ان کے اثرات کا ترتیب ہوتا ہے، تڑپ، محبت، غریبیگی یا اطاعت پیدا ہوتی ہے، یا الم، نفرت، خوف اور توحش، ان میں سے ایک بالطبیع محبوب ہے۔ مرغوب ہے، تو دوسری فطرۃً غیر محبوب و نامرغوب، ایک کے حصول کا وہ کوشاں ہوتا ہے، تو دوسرے سے گریز

کوٹھاں ہو کہ گریزاں انسان کی زندگی کا تار و پود ہی جذبات ہیں، ان کا زور  
مردانگن ہوتا ہے۔ ان کے شر و شہ سے اس کو فرصت ملتی ہے اور نہ نجات  
یہاں تک کہ زندگی کے سقرتہ دن ختم ہو جاتے ہیں، اور وہ یہ کہتا ہوا  
رحضرت ہوتا ہے۔

من باغ جہاں راقیے دیدم لبس سرغش نہواہ ہو سے دیدم و لبس  
از صبح وجود تا شبان گاہ عدم چوں چشم کشودم نفسے دیدم و لبس  
(سجانی استرآبادی)

اپنی زندگی کے مختصر قیام میں ہر شخص اشیاء کی تغیر و حدوث کا اچھا شاہد  
کرتا ہے، کائنات میں ایک دائمی تغیر جاری ہے، کوئی شے ساکن نظر نہیں آتی  
سکون و ثبات فریب نظر معلوم ہوتے ہیں۔ ہر فنہ کائنات میں ایک تڑپ سی  
نظر آتی ہے، کاروان وجود کو کہیں قیام نہیں، شان وجود ہر لمحہ تازہ ہوتی  
ہے، قہری تجلی ہر شے کو ہر لمحہ فنا کر رہی ہے، اور جمالی تجلی ہر لمحہ وجود  
بخش رہی ہے۔

ہستی کہ عیاں نیست دو آن در شای  
در شان و گر جلوہ کند ہر کوئے  
این نکتہ جو نہ کل یکدم ہوتی شای  
گہ بایت از کلام حق بر مانے  
(جلی)

اشیاء کے اس تغیر و تبدل، نکلن و حدوث و فنا پذیری و نوال کی جہت  
جب چشم بصیرت رکھنے والے انسان پر نمایاں ہو جاتی ہے، تو اپنے اپنے فقر

احتیاج کی وجہ سے فل وانتقاریا بندگی کی نسبت جو ان سے قائم کر رکھی تھی وہ یکدم کٹ جاتی ہے۔ ذوات خلق کا فقر اس کی نظروں میں واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اس ذات کی تلاش و جستجو ہوتی ہے، جو حدوث و تغیر سے منزہ ہے جو قائم بالذات و مقصود بالذات ہے، جو واجب و قدیم ہے صفات کمالیہ سے موصوف ہے، فعال ہے، سارے جہان کی مالک و حاکم و مولیٰ و رب ہے۔



اب مذہب یارین کا ماحصل بھی اتنا ہی ہے کہ ذل و اندکار کی نسبت (چس کو دین کی ذہن میں عبادت و استغاثت سے تعبیر کیا جاتا ہے) ذوات خلق سے قائم نہ کی جائے، اور احتیاجات اور مرادات میں استغاثت و ذوات خلق سے نہ کی جائے، بلکہ عبادت و استغاثت کا مرکز ذات اللہ ہے، یہی مقہوم ہے اس دعوتی کلمہ طیبہ،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

کا کہ اللہ کے سوا کوئی ذات قابل عبادت و مستحق استغاثت والہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس پیام کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے جیسے گئے ہیں۔

فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسی فقر یا احتیاج کو رفع کرنے کے لئے وہ ہر نفع و ضرر پہنچانے والی پیکر کو اپنا "الہ" قرار دیتا ہے۔

خواہ یہ چیز عناصر سے ہو، یا جمادات سے، نباتات سے ہو یا حیوانات سے، فوق الغرط ہو یا فوق البشر، ان سے رفع احتیاج کے لئے اعانت طلب کرتا ہے، اور استعانت کے لئے ان سے خل و افتقار کی نسبت قائم کرتا ہے اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع اور ضار خیال کرتا ہے، اور یہی خیال اسکو اپنے سے کمتر مخلوق کے آگے سجدہ نیز ہونے پر مجبور کرتا ہے۔

حواس کے اس التباس اور عقل کے اس دھوکے کو دور کرنے کے لئے دین حق کا یہ پیام محمد عربی (فضاء الہی دائمی) نے عالم کو سنایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر فطرت کا شہ کار ہو کر اپنے سے ادنیٰ اور کمتر مخلوق کے آگے ذلیل نہیں ہو سکتا، اس کی گردن اڑھک سکتی ہے، تو اسی ایک ہمہ خیر ہمہ دال و ہمہ بین و ہمہ لوان ہستی کے آگے جس کے دست قدرت میں ساری کائنات کی باگ ہے، جو محمد صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے منزہ اور برتر ہے! یہی ہستی ہماری اللہ ہے، یہی قابل عبادت ہے، یہی مستحق استعانت ہے، یہی ہماری خالق ہے، مالک ہے، ہماری رب ہے، اسولی ہے، ہاکم ہے، اسی کے ہم مخلوق ہیں، مملوک ہیں، مرئوب ہیں، عبد ہیں، محکوم ہیں، اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی سے تمام حاجات و مرادات میں بھیگ مانگتے ہیں، یہی ذات غنی ہے اور ہم سب اسی کے فقیر ہیں، اس کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہیں!

یہ پیام صدق معنی ہے، ہماری عزت نفس کے عین مطابق ہے حق و

خلق کے رابطہ کا سچا انہار ہے! اس کو مان کر انسان حقیقی معنی میں انسان بناتا ہے۔ بے خوف، بے جگر مجاہد جس کی امید و بیم کا مرکز وہی ایک اللہ ہے جو سارے عالم کا مالک اور حاکم ہے۔ اب مجاہد کی زندگی کی ہر جنبش اسی مالک و حاکم کے حکم کے تحت ہو جاتی ہے، اور اس کے احکام کی قیام میں اس کے امتثال میں وہ ایک جان دیتا ہے، تو ہزار جان پاتا ہے، اس کا نصف قوت سے اس کی ذلت عزت سے، اس کا فقر غنا سے بدل جاتا ہے، موجودات عالم میں سے وہ کسی سے نہیں ڈرتا، فَلَإِنَّ أَفْوَهِمُ وَخَافُونَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَؕ کا حکم اس کو سارے عالم سے بے خوف کر دیتا ہے، نہ وہ کسی سے امید و رجائیت ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًاؕ اس کو ساری کائنات سے معنی کر دیتا ہے۔ فدایت خلق سے امید و بیم کی نسبت کتنے ہی وہ فتنے حاصل کر لیتا ہے۔ اور اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ کو راضی نہ کر وہ غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، اب وہ معنی عن التی ہے، کوئی چیز اللہ سے برتر ہو سکتی ہے، جس کے حصول کی وہ خواہش کرے اب سب کچھ اسے حاصل ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے۔ لَكُم مَّا سَأَلْتُمُوهُ اَعْلٰی مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَقْضُوْا اِلَیْهَا اَنَّا كُم مِّنْ دُونِ الْمُتَلَمِّسِؕ اسی کو حاصل ہے، وہی مخاطب ہے اس قول کا

۱۔ اگر تم ہر دین پر تو ان سے خوف نہ کرو مجھ سے خوف کرو۔

۲۔ کیا اللہ بندے کے لئے کافی نہیں۔

۳۔ تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو تمہارے نہ آیا اور شیئی نہ کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا۔

انْتِبَهِ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ ۙ

دیکھو: ”الہ“ کے فہم نے اس کو کیا سے کیا کر دیا، یا تو وہ ایک حقیر اور ذلیل جانور کی طرح ہر ایک سے ڈرتا اور رزتا تھا، ہر ایک کو نافع اور ضار قرار دیتا تھا، سرعہ ویت خم کرتا تھا، مدد و اعانت کا خواہاں تھا، ان ہی کی عبادت و عبودیت میں زندگی گزارتا تھا، مٹوش، پریشان، حیران، خود ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف، ضعف الطالب والمطلوب یا اب علم رسالت کے جاننے اور ماننے کے ساتھ ہی لا کی شمشیر تاقہ میں لے کر وہ آگے بڑھتا ہے اور اپنے جاہل ساتھیوں سے قرآن کے الفاظ میں پوچھتا ہے،

افغیر اللہ نامردنی اعبدا یہا الیہا ہلون؟

تا چند کہ از چہ گداز سنگ تراشی      بگنزد خداے کہ بصد رنگ تراشی  
غیر اللہ کی عبادت و عبودیت کا جواہ گردن سے نکال کر پھینک دیتا ہے  
عمر میں پہلی مرتبہ حریت محسوس کرتا ہے، خوف کا بھاری پتھر اس کے سینہ سے اٹھ جاتا ہے، اپنے حقیقی بولا کے آگے جھک جاتا ہے اور ان کو رحیم پاتا ہے  
كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا کی بشارت اس کو ہر طرح مطمئن کر دیتی ہے۔ اب  
اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ حق اتا لے اس کے ساتھ ایمان کے بدیشان رحمت  
ہی سے پیش آئیں گے، ان کے علاوہ رحیم ہونے کے حاکم و حکیم ہونا، اس کے

لے تم ہی بلند ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

لے اے جاہلو کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا امر کرتے ہو۔

دل کو اور تعوی کر دیتا ہے، وہ انہیں اپنے ہر اس میں متصرف سمجھتا ہے اور ان کے ہر فعل کو سر اسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے، ان ہی کے حکم کے مطابق ان کو اپنے کاموں میں دکیل بناتا ہے فاعن کا دکیلا۔ ان کا فرمان ہے کُنْ بِاللّٰهِ دَکِیْلًا۔ کہہ کر وہ آنادی و اطمینان کے ساتھ مصروف عمل ہو جاتا ہے۔ اب کہاں یہ اور کہاں وہ جاہل جو غیر اللہ سے دل و انتقام کی نسبت جوڑتا ہے، بیخ ہے۔

وما یستوی الاعیاء والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا النور  
وما یستوی الاحیاء ولا الاموات (الفطرہ ۱۵)

دین کا اجمال، عبادت و استنات، اس کا حاصل، تحفظ و تحید، اب اس اجمال کی کہی قدر تفصیل ضروری ہے۔

عبادت غایت تذلل کا نام ہے، جس کا اظہار مہمود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے، اس کے معروف طریقے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں، نماز کے تمام اعمال دار کا ان پر غور کرو، عبادت یا اظہار ذلت کا مفہوم بخوبی تمہارے دل میں ہو گا، عابد نماز کا قصد کرتا ہے، عقل کی طرف بڑھتا ہے، زبان پر ہے ارقی ذہاب الی ربی سیہدین۔ دل غیر حق سے پاک ہے، حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بزرگی کا مستحق نہیں سمجھتا، اور اسی فہم کے ساتھ تکبیر تحریمہ اللہ اکبر

سہ برابر نہیں اندھا اور کھٹا اور نہ اندھیرا اور نہ اچالا اور نہ سایہ اور نہ نورا اور بارشیں جتنی اور نہ مرے  
سہ میں اپنے رب کی طرف چلا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا۔

کہتا ہے اور جب حق تعالیٰ کے ربو ہو کر کہتا ہے۔ رانی و جہت و جہی  
 للذی فطر السموات والارض حیفادما انا من المشرکین، بل  
 پوری طرح متوجہ حق ہے، ورنہ جانتا ہے کہ جھوٹ کی سزا کیا ہے، یجادعون  
 اللہ وھو خادعھم، اب نیت میں بھی خلوص ہے، حق تعالیٰ ہی کے لئے  
 نماز پڑھ رہا ہے، عاشقانہ ایمان کے پیدا ہونے کے لئے پڑھ رہا ہے، عادت  
 کے تحت نہیں، انھی کے خوف و قوت سے پڑھ رہا ہے، شامیں حق تعالیٰ کی  
 غفرت و جلال و جبروت کا اظہار کر رہا ہے، اور توحید کا اقرار لا الھ الا  
 حق تعالیٰ ہے، اب حضوری میں دست بستہ نظم نبوی کے ذلت و مسکنت کی  
 تصویر بنا کھڑا ہے، زبان پر جاری ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور دل میں سمجھ رہا ہے  
 کہ عالم میں کوئی ذات مستحق حمد نہیں، سارے عباد و محاسن کی وہی ایک ذات  
 لا شریک لہ، سزاوار ہے جب رب العالمین کہتا ہے تو جانتا ہے کہ لا رب  
 سواک ربوبیت اسی کو زیبا ہے، عالم تمام اس کا مرلوب ہے۔ الرَّحْمٰنِ  
 الرَّحِیْمِ کہتے وقت عالم رجا میں داخل ہوتا ہے، رحمت و کرم کی امید دل  
 میں پیدا ہوتی ہے، جانتا ہے کہ رعایت کا قلق تو ساری کائنات سے ہے  
 رحمت خصوصاً شئے ہے اور مومنین سے غنص کان بالموہنین رَحِیْمًا  
 مالک یوم الدین۔ کہتے وقت عالم خوف کا مشاہدہ کرتا ہے، روز  
 قیامت حق ہے اور یہ وہ دن ہے کہ اس کی شان میں فساد یا گیا

---

لے دعا باندی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی اُن کا دغا دے گا۔



يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۔ اس امید و ہم کی حالت میں عرض کرتا ہے اَيَّاكَ نَعْبُدُ حق تعالیٰ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ ذل و افتقار کا رشتہ آپ ہی سے جوڑتے ہیں۔ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ آپ ہی سے استعانت کرتے ہیں، جانتے ہیں کہ لا فاعل في الوجود الا الله ماسوی اللہ سے بالکلیہ اعراض کر کے آپ ہی کی طرف بالکلیہ رجوع ہوتے ہیں ہم آپ کے سوا استعانت کی جہت سے غیر کو کیوں پکاریں جب کہ ہمیں یہ سنا دیا گیا ہے اور ہم نے بھی تجربہ سے اس کی توثیق کر لی ہے کہ آپ کے سوا کسی میں حول و قوت نہیں لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اس لئے کہ وہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر، اس طرح و شأنا و اقرار عبودیت کے بعد التماس و دُعَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ حق تعالیٰ راہِ مستقیم کی ہدایت فرمائے، نفس و ہوا سے چھوڑیں آپ کا قرب نصیب ہو صِرَاطُ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ عَنِ الْمَقْرُوبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الصَّالِّينَ۔ اہل انعام کی راہ پر چلنا نصیب ہوا جو انبیاء و اولیاء کی راہ ہے یہی اہل انعام ہیں۔ وَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ مِنْ النَّبِيِّنَ وَ الصِّدِّيقِیْنَ وَ الشَّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِیْنَ ہ مفتدین و صالحین کی راہ نہیں جنہوں نے غیر اللہ سے عبادت و استعانت کا رشتہ قائم کر کے ہمیشہ کے خستہ میں اپنے آپ کو مبتلا کر لیا۔ اَوْ لَشَيْءٍ هُمْ اَتَّاسِرُونَ الَّذِينَ هَرَدُوا اَنْفُسَهُمْ!

۱۔ جس دن نہ کر کے کوئی نفس، کسی نفس کا کچھ۔

اس حمد و ثناء المناس و دعا کے ساتھ وہ کلام ربانی کی چند اور آیتیں احکام خداوندی کے معلوم کرنے، تکرار سے ان کو اپنے ذہن میں جمانے، ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں کماتے اور حق تعالیٰ سے سرگوشی کرنے کے لئے پڑھتا ہے اور پھر فوراً پیشی میں جھکت جاتا ہے گویا اپنے رحمان و رحیم آقا کے پیٹ میں ہونڈی دے دیتا ہے، اس طرح اپنی ذلت کا مزید اظہار کرتا ہے، اسی حالت میں اس کی زبان سے اس کے سولے کی تقدیس و تنزیہ و تحمید جاری ہوتی ہے، اپنی بے مائیگی، فقر و ذلت کا احساس قلب میں واقع طر پر موجود ہوتا ہے، جب سر اٹھاتا ہے تو حق تعالیٰ اسی کی زبان سے فرماتے ہیں سَمِعَ اللَّهُ لَكُمْ حُكْمًا اِسی طرح اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں، جو سر بسو و حقیقی کے سامنے جھکتا ہے، وہ مخلوق کے آگے جھک نہیں سکتا، وہ سب سے بلند ہوتا ہے، ممتاز ہوتا ہے، بے نیاز ہوتا ہے، وہ ایک لاقیمت جوہر ہوتا ہے، سچ ہے،

مَنْ رَكِنَ إِلَى السَّوْفِيِّ وَمَالَ إِلَيْهِ أَحْرَقَهُ اللَّهُ بِنُورِهِ حَتَّى يَصِيرَ جَوْهَرًا لَا قِيَمَةَ لَهُ (حدیث)

اس سرفرازی کے شکر میں وہ حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے، اور پیروں پر گر جاتا ہے، اور اس طرح غایت تذلل کا اظہار کرتا ہے، زبان پر آقا کی

---

لے جو اپنے سولی کی طرف جھکتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے، تو وہ اس کو اپنے زور سے جلا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ لاقیمت جوہر ہو جاتا ہے۔

غفلت و رفوت و علو کا اقرار جاری ہوتا ہے، اس اظہارِ تذلّل میں وہ اپنی آنکھ کی ٹشنگ پاتا ہے۔ وَجَعَلْتُ قُدَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ آنکھ کی ٹشنگ اس کو اپنے محبوبِ مولیٰ کے شاہد سے ہو رہی ہے، یہی اس کا کمال ہے، یہی اس کی معراج ہے۔ الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ ۵

معبود کا نہ صرف خیر محض ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا ہمہ توان یا قادر مطلق ہونا بھی لازمی ہے، یہ اپنی لامحدود قوت اور لامتناہی طاقت کی وجہ سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری حاجتوں کو پوری کرتا ہے۔ مرادوں کو برلاتا ہے، اس کے اقتضام کے بعد ہمیں اس کی نصرت و اعانت کا قطعی یقین ہو جاتا ہے، شر کے مسئلہ کی توجیہ سے عاجز ہو کر نمازیہ ۶

نے خدا کے ہمہ توان ہونے کا انکار کر دیا، لیکن جو قادر مطلق نہ ہو، وہ معبود حقیقی کب بن سکتا ہے، جو خود شر پر غالب نہ ہو ہماری مدد کیسے کر سکتا ہے؟ ہمارا مولیٰ اور نصیر کیسے ہو سکتا ہے، شر کی توجیہ کا یہ موقع نہیں، لیکن ہم اپنے معبود کو فعال مطلق، ہمہ توان مانتے ہیں، افعال و آثار کا مرجع اسی کو قرار دیتے ہیں، حل و قوت کا اسی کو سہما سمجھتے ہیں، اسی لئے اس سے استعانت چاہتے ہیں اور اس کے نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَ نِعْمَ النَّصِيرُ

۱۔ میری آنکھ کی ٹشنگ نماز میں رکھی گئی ہے (نفا فی باب عشرت النساء)

۲۔ زمانہ جدید کے فلسفیوں کا ایک گروہ جن میں ولیم جیمس، ایم جی ولس، برنارڈ شاہ و غیرہ داخل ہیں۔

ہوئے کالیقین کہتے ہیں اعتصموا باللہ ہو مولکم نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ جب قوت صرف اسی کو حاصل ہے لا قوۃ الا باللہ حرکت کا بھی وہی سبب ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ تو فعل ہر حرکت و قوت ہی کا نتیجہ ہے صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور ذاتِ خلق سے اس کی بالکل نفی ہو جاتی ہے اس حقیقت کے سمجھتے ہی اس کی بصیرت سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور مَعْلُومٌ لَا تَقْوَرُ ذَرَّةً اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کے معنی سمجھ جاتا ہے، غیر اللہ سے استغاثہ کی نسبت کاٹ کر اسلم عیدیٰ داستسلم کا مصداق بن جاتا ہے!

اپنے رب سے استغاثہ کے طریقے کیا ہیں؟ بصیرت محمدیہ نے بن طریقوں کی تعلیم فرمائی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اپنی حاجتوں اور مرادوں میں حق تعالیٰ سے دُعا کرو دُعا کا حکم ہے، اور اجابت کا وعدہ ادعوتی استجب لکم۔ حق تعالیٰ وجود مطلق ہیں اعطا معض ہیں، ان میں کئی کا ثابہ نہیں، ایسی دھرمی ان کی درگاہ سے نہیں نشئی کے لئے فرما رہے ہیں لا تَاٰیِسُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ وہ حکیم بھی ہیں۔ ان کا ہر فعل حکمت رکھتا ہے، وہ ہمارے خیر کو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اگر

۱۔ ہمیں اپنے رب کی کا اعتماد چاہیے وہی تہا اچھا مولیٰ ہے اور اچھا مددگار۔

۲۔ کوئی ذرہ بغیر اللہ کے حکم کے حرکت نہیں کرتا۔

۳۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

وہ ہماری کسی دُعا کو قبول نہیں فرما رہے ہیں تو اسے قبول فرمائے ہی میں  
 ہمارا فائدہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے منعہ عطاء مرد کا کمال اس میں  
 ہے کہ ان کی منع کو عطا جانے، کسی عاشق نے اسی جذبہ کے تحت کہا ہے،  
 اگر مراد تو اسے دوست نامرادی است مراد خویش و گر بار بن خواہم خواست  
 سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے لا ابالی علی ای حال  
 اصیم علی ما اکرہ اد علی ما احب لانی لا ادری الخیر لایہما  
 حق تعالیٰ خود ہمیں تعلیم فرما رہے ہیں، اور ایک نہایت دقیق نکتہ کی تعلیم  
 فرما رہے ہیں۔

عسیٰ ان تکرہوا شیئاً و هو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئاً و هو  
 شر لکم و اللہ یعلم و انتم لا تعلمون (البقرہ - ۱۱)

اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف کہنے لگتا ہے، ہمہ آں باد کہ او خواہد آں مباد  
 کہ ناخواہیم، اور خواجہ شبلی نے عارف کی تعریف ہی اس طرح کر دی کہ عارف  
 دوست کہ منع نزاد و دوست تراز عطا باشد یہ ہیں سے رضا کا مقام

لے مجھے اس سر کی پردہ نہیں کہ میں کسی حال میں صبح کروں گا۔ ایسی حالت میں جبکہ میں  
 پسند نہیں کرتا یا ایسی حالت میں جس کو میں پسند کرتا ہوں، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے  
 لئے بھلائی کس حالت میں ہے۔

۲۔ شاید کہ بری لگے تم کو ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو سہلی لگے ایک  
 چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

شرع ہو جاتا ہے، جو استعانت کا بلند ترین طریقہ ہے۔

بہر حال اگر حق سبحانہ تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے بندہ مومن کی دعا قبول نہیں فرماتے تو اس کے قلب کی حفاظت فرمادیتے ہیں، مطلوب کی جانب سے خیال پلٹ دیتے ہیں، حکایت شکایت، بزرع فزع کی طرف مائل نہیں کرتے، رضا کے مقام میں پہنچا دیتے ہیں اور وہ بالکل اجل کتاب کہہ کر حق تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے، اجابت دعا کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مطلوب تو حاصل نہیں ہوتا، لیکن حق تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرماتے، بلکہ اس کی کسی بلا کو دور کر دیتے ہیں گو اس کو بدل کا علم نہیں ہوتا، ایک آخری صورت یہ بھی ہے کہ دعا اگر وہ دنیا میں نہیں پاتا تو آخرت کے لئے یہ ذخیرہ کیا جاتا ہے،

ان العبد یجی فی صما ثغہ	قیامت کے دن بندہ اپنے اعمال نامہ پر
یوم القیامۃ حسنات لا یرؤھا	وہ نیکیاں دیکھے گا جن کو وہ نہیں پہچانے گا
فیقال انھا بدل سواک فی	اس سے کہا جائیگا کہ یہ اس سوال کا بدل
الدنیا لم یقدر فضاء	ہیں جو تو نے دنیا میں کیا تھا۔ لیکن غریبے
ذہا۔ (حدیث)	مقدر میں دنیا میں ان کا ملنا نہ تھا۔

بہر صورت اجابت دعا کا وعدہ سچا ہے، لیکن یہ وعدہ مطلق ہے، مقید نہیں کہ اسی وقت اور اسی صورت میں پورا کر دیا جائے، جس وقت اور جس صورت میں بندے نے دعا مانگی ہے فافہم، اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کیوں رسول عربی نے اس دعا کی تعلیم دی

اللهم اكفني كل مهم من حيث شئت وكيف شئت و اني  
شئت ومن اين شئت۔

استدانت کا دوسرا طریقہ اپنے کانوں میں حق تعالیٰ پر توکل کرنا ہے، اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو، محض علم نہیں، یعنی تحقیق ہو، محض نقل نہیں، یا جدید نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ اگر یہ بات ہمارے تحت الشعوری نفس میں اتر گئی ہو کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہیں، کونے والے خود بدلتے ہیں افعال و آثار کا مرجع خود ہیں، حول و قوۃ کا مبداء خود ہیں، اور پھر اس کا بھی یقین ہو کہ ایمان کے بعد وہ رحیم بھی ہیں گان بالموہنین رحیم۔ ولی ہیں واللہ ولی المومنین تو ہم اپنے تمام امور ان کے تفویض کرنے میں خوشی سے آمادہ ہو جائیں گے، اور اس تفویض کے ساتھ ہی فکر سے آزاد ہو جائیں گے طمأنینہ و مسرت سے ہمارے قلوب بھر جائیں گے اور کسی سست محبت کے الفاظ میں کہہ اٹھیں گے،

وكلت الى المحبوب امری كله فان شاء احياني وان شاء ائلفني  
توکل اپنی حول و قوۃ سے بری ہونا ہے، اعتصام باللہ ہے۔ فوالله انزل رحم  
نے توکل کی تشریف اسی طرح کی ہے التوكل ترك تدبير النفس والأغلام  
من المحول والقوۃ۔ اور سب سے بڑی سستی نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے

۱۔ میں نے اپنا کام اپنے محبوب کے حوالہ کیا، خدا بادہ مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے۔  
۲۔ توکل اپنے نفس کی تدبیر کو چھوڑنا، اس اپنی حول و قوۃ سے نکل آنا ہے۔

التوکل الاغلاۃ عن الحول والقوة - ان تعریفوں کا ماخذ، حدیث نبویؐ کا حوالہ  
 ولا قوت الا باللہ، اور قول مفرد ہل لا قوت الا باللہ توکل قلبی عمل ہے، یعنی  
 قلب میں یقین جاگزیں ہو کہ مجھ میں اور کسی شے میں نہ اثر ہے نہ قوت ہے نہ  
 حرکت ہے، مجھ میں اور ہر شے میں اثر و قوت و حرکت حق تعالیٰ ہی پیدا کرتے  
 ہیں، وہ جس طرح میرے خالق ہیں، میرے افعال کے بھی خالق ہیں خلق کم  
 وما تعلمون۔ میرے اقتضاء و فطرت، عین کے مطابق افعال کی تخلیق فرما رہے  
 ہیں میرا اقتضا، میرا اختیار ہے، لیکن فعل کی تخلیق حق تعالیٰ کی جانب سے  
 ہو رہی ہے، اس لئے اسباب قطعہ کے استعمال و اختیار کا مجھے حکم ہے حکم  
 کے تحت میں ان کو استعمال کر رہا ہوں، جانتا ہوں کہ اگر مجھے اولاد کی خواہش  
 ہو تو جماع کو ترک نہیں کر سکتا، بھوک کی تشفی کے لئے نوالہ کا اٹھانا اور اس کا  
 چبانا اور خلق سے پیچھے اتارنا تطعی ضروری ہے، توکل یہاں ترک عمل و تعطل کا نام  
 نہیں، علم و حالت کا نام ہے، قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہو  
 کہ قدرت، حرکت، فعل سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں، ان  
 کی شیت اور ارادے سے پیدا ہوئے ہیں، وہ چاہیں تو نوالہ منہ تک نہ پہنچے  
 ناقہ شل ہو جائے، کھانا بھی چھن جائے، نظران کے فعل پر ہے، فضل پر ہو  
 اپنے زور بازو پر نہیں، کسب پر نہیں، دست بکا رول بیار! توکل ترک اسباب  
 نہیں، ترک رویت اسباب ہے



مبادیات کو سمجھ جانے کے بعد رزق کے مسئلہ پر ذرا غور کرو، رزق کا ذمہ  
 حق تعالیٰ نے لیا ہے و ما من دابة فی الارض الا علی الله یزقہا  
 صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا، قسم بھی کھائی ہے، صرف قسم پر اکتفا نہیں  
 کیا، مثال بھی بیان کی ہے و فی السماء یزقکم و ما توعدون  
 فرب السماء و الارض ان لم یخلق مثل ما انکم تنطقون ربابہ  
 رکوع ۱۱۰ حق تعالیٰ ان لوگوں کو بھی رزق دیتے ہیں جو غفلت و معصیت  
 میں مبتلا ہیں، فسق و فجور میں چور ہیں، پھر جو ان کی اطاعت و رعایت کرتے  
 ہیں، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔ دیکھو جو درخت بوتا ہے، وہی سیتھا بھی  
 ہے، غلقت کو دہی مدو دیتا ہے، جو ان کا خالق ہے، مخلوق کے لئے یہ  
 بات کافی ہے کہ ان کا خالق ان کو کافی ہے، الیس الله بکاف عبدا  
 ایجاد ان سے ہے، دوام امداد بھی ان ہی سے ہے، تخلیق ان سے ہوئی،  
 رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، اس کی مثال انسان اپنے نفس میں پاتا  
 ہے، یہ جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہے، تراش کے لئے غذا کا بھی انتظام  
 کرتا ہے، حق تعالیٰ نے جب ہمیں اپنی مشیت و ارادے سے پیدا کیا ہے،  
 تو رزق کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، ان ہی کے خوانِ کرم سے ہمیں رگے نوا

---

لے اور زمین پر کوئی چوپایہ نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ پر نہیں۔

لے اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے آسمان اور زمین  
 کے رب کی یہ بات تعیناتی ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

ملاصل ہے، حق تعالیٰ ہمارے سولی ہیں، آقا ہیں، ہم ان کے عبد ہیں، غلام ہیں، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے۔ جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر ہم ان کے ہو رہیں، ان کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں، نہ کسی سے حاجت و مراد برآ رہی چاہیں، تو کیا یہ ممکن ہے وہ اپنا حق ادا نہ کریں؟ اس کی بشارت اس آیت کریمہ میں دے رہے ہیں۔

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ  
حَسْبُهُ۔

توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

رزق کا وعدہ قطعی، صرف ہمیں اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرنا ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ہمیں اپنے گھر بلا میں اور پھر ہمیں اپنے احسانات سے محروم رکھیں، وجود بخشی کریں، اور پھر بد نہ کریں، ہمت کریں اور اپنے کرم سے محروم رکھتیں، اپنا حق (عبادت) ہم سے طلب کریں، اور ہمارا حق (رزق) ہمیں نہ دیں! وہ کریم ہیں ان سے معاملہ کر کے ان کی خدمت ادا کر کے کون خسارے میں رہتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي سَأَلَكَ فَرَمَتَهُ وَالْحَاءُ إِلَيْكَ فَاهْلَيْتَهُ اَوْ تَقَرَّبَ

لے مثالیں، برا تعظا، سکندری کی ہیں۔

الیک نابعدتہ اوہوب الیک فطرونک رازِ معرفت غیتِ انظم  
اسی خیال کے تحت کسی عاشق نے کہا ہے، ”گاں تو انیت کہ از رزق  
چارہ نیت اما رزق راز تو چارہ نیت“

بدنِ سالِ روزی چہ باید دید  
توفیش کہ روزی خود آید پدید  
ایک دوسرے عاشق نے اسی خیال کو یوں ادا کیا ہے  
ہیں تو گل کن بلزاں پا دو دست رزق تو بر تو رزق تو عاشق ترا ست  
(مثنوی)

بہر حال ابارع سنت نبوت اسی میں ہے کہ رزق کی طلب میں کوشش کریں لیکن، اجدل وافی الطلب کو پیش نظر رکھ کر اور یاد رکھیں کہ ہماری طلب رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قہقی علت نہیں، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح شائع فتوح الغیب نے مسئلہ کو اجملاً خوب ادا کیا ہے ”بعد از طلب می یابی تا نہ بہ طلب می یابی“ یہی مفہوم اس شعر میں ادا ہوا ہے  
بجستجوئے نیابہ کے مراد دلی کے مراد بیابد کہ جستجو دارو

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جستجو کو مراد یاابی کی مستقل علت قرار نہ دینی چاہیے ①

① لے وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا اور تو نے اس کو محروم رکھا یا ملتی ہوئی اور تو نے اس کو بے کار چھوڑا یا تجھ سے ملاپ چاہا اور تو نے اس کو دور کر دیا، تیری طرف دھڑک آیا، اور تو نے اس کو دھکا کر دیا لے یعنی دنیا کمانے میں دل توڑ کوشش نہ کرو۔

کیونکہ معاملہ نفل پر منحصر ہے، ہاں جستجو ضرور کی جائے عادت الہی یہی ہے کہ حرکت میں برکت مادی ہے۔

استغاثت کا تیسرا طریقہ مصیبتوں میں جبر کرنا ہے۔

دنیا دارا حزن ہے، دارالحزن ہے، "سہن ہے" (قید خانہ) غم کی وادی ہے، شیطان کی دکان ہے، جس میں سوا شر و فساد کے کچھ نہیں۔

اچ للدنیا وایامہا فانہا للحدن مخلوقہ  
ہمومہا لاتنقضنی ساعۃ عن ملک فیہا اوسوقہ

دنیائے ہو کہ شاہ، امیر ہو کہ گدا سب غم و ہم میں مبتلا ہیں لہذا خلقنا الانسان فی کسب۔ چونکہ حق تعالیٰ ہی ہماری غم سے آزمائش کرتے ہیں، مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، رلاتے اور ہنساتے ہیں، وانہ اضلک وایک۔ مارتے اور جلاتے ہیں۔ وانہ هو امات واجی۔ اور فنی کرتے اور فقر کرتے ہیں۔ وانہ هو اعنی واقعی۔ اس لئے حق تعالیٰ ہی ہمیں مصائب سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، اور وہ طریقہ صبر ہے، کیا حکیمانہ ارشاد ہے :-

لے قول یحییٰ بن ساذ۔

لے دُنیا اور ایم دنیا پر افسوس ہے کہ وہ حزن و غم کے لئے بنائی گئی ہے اس کے غم ایک گھڑی کے لئے ختم نہیں ہوتے، خواہ بادشاہ کے لئے ہوں یا بازاری آدمی کے لئے۔  
لے ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ  
تَفْلَحُونَ ۝

ایمان والو موجودہ مصائب پر صبر کرو، دوسروں کے ساتھ صبر و استقلال  
سے کام لو (صبر و صابروا) اور ایسے کاموں میں ثابت قدم رہو جس کا وقت ابھی  
نہیں آیا (رابطوا) اور اللہ سے ڈرو اسی میں تمہاری فلاح و بہبودی ہے یہی  
نہاج کا راستہ ہے صرف صبر اور حق تعالیٰ ہی کے حکم پر صبر و محکمہ رکھ  
اور حق تعالیٰ ہی کے لئے صبر و صبرک۔ اَلَا بِاللّٰهِ مَا مِثْلُ صَبْرٍ کر نے ہی  
سے مصائب کی برداشت سہل ہو جاتی ہے غم کے بدلے مٹ جاتے ہیں فکر  
کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اسباب کی راہ سے اگر انسان مصائب کو دور کرنا چاہے  
غم سے گونہ غلامی حاصل کرنا چاہے، اور راحت کی امید باندھے، تو سوائے  
حسرت و یاس کے کچھ نہیں ملتا، مولانا نے اس چیز کو کس خوبی سے  
ادا فرمایا ہے:-

گر گریزی بامید راستہ ہم از انجا پیشیت آید آفتے  
پہنچ گنجے یہ دودبے مام نیت جز بخلوت گاہ حق آرام نیت  
حق تعلق سے اگر محبت ہو، اور معیبت کو ان ہی کی طرف سے دیکھے، تو  
مصائب کا آسان ہونا ضروری ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ تم ایک تاریک

۱۔ رباط کے معنی اعداء کے مقابلہ میں گھوڑے باندھنے کے ہیں یعنی مورچہ بندی۔ اور ظاہر ہے  
کہ مورچہ بندی حفظ اللہ کے لئے ہوتی ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ۔

مکرمے میں ہو، کوئی چیز تمہیں آگئی، اور تم ٹرپ اٹھے، تمہیں معلوم نہیں کہ ماریوالا کون ہے، جب تم نے چراغ منگوا یا اور دیکھا کہ یہ تو تمہارا شیخ ہے، یا باب ہے، یا کوئی عزیز،

محبوب ہستی ہے، اس سے تم کسی صورت میں آزاد کی توقع نہیں کر سکتے، تو تمہارا یہ جانا نیشیک تمہاری تسلی اور صبر کا باعث ہوگا، کیونکہ تم اس تکلیف میں بھی وقائعِ لطیف کا معائنہ کرو گے، اسی طرح دلائلِ قاضیہ میں حق تعالیٰ اپنے بندہ خاص سے بطریقِ منت فرما رہے ہیں کہ اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی کے لئے اس کے حکم و بلا پر صبر کرو، کیونکہ ایمان کی حالات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ تیرا کاعرف نہ بنے،

من سامعۃ حلال راہرف تیر بلاست !

اگر تم کو حق تعالیٰ کے بعد مہربان رحیم، اور دود ہوئے کا یقین ہو جائے

ان الله بكم لدون رحيم پر ایمان ہو گا ان الله عفود رحيم، پادغان ہو اور الله ذو الفضل العظيم پر ایمان قائم ہو جائے، تو پھر تم اپنے دکھ درد کو پوشیدہ رجحان سمجھو گے، مثالوں سے اس نکتہ کو سمجھو، مشفق باب اپنے بچے کو پھینے لگاتا ہے لیکن دکھ پہچانا مقصود نہیں ہوتا، فاسد خون جو اس کے بدن میں زہر ہے آسان طریقہ سے نکال دیتا ہے ! ماں اپنے چھوٹے بچے کو غلیظ دیکھنا نہیں چاہتی، صابون اور گرم پانی سے اس کو نہلاتی، اس کے جسم کو گرگرتی اور

لہذا یہ مثال ابو الوطا السکندی نے دی ہے، یہ تفسیر سیرِ ربیہاں استعمال کی گئی۔

بارش کرتی ہے، پتہ چمکا چلاتا ہے، دکھ محسوس کرتا ہے، لیکن ماں کا مقصد آزار پہنچانا نہیں ہوتا، تمہارا خیر خواہ طبیب تمہیں ایاز دیتا ہے، اور تم اسے ناپسند کرتے ہو، لیکن اگر وہ تمہارے اختیار کا اتباع کئے تو شفا تم سے کوسوں بجائے اگر تم کو کوئی ایسی چیز نہ دی جائے جس پر تمہارا دم لٹل رہا ہو، اور تمہیں یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ یہ نہ دنیا میں شفقت و مہربانی کے باعث ہے، تو تم کہو گے کہ یہ نہ دنیا ہی میرے حق میں دینا ہے۔ شیخ ابوالحسن ثاذلی نے کیا خوب فرمایا ہے، جان لو کہ اگر حق تعالیٰ تم کو کوئی چیز نہیں عطا فرماتے تو ان کا یہ نہ دنیا بخل کی وجہ سے نہیں، بلکہ عین رحمت ہے، ان کا نہ دنیا ہی دینا ہے، لیکن نہ دینے میں دنیا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہے عسی ان تکویناً شدیاد یجعل اللہ فیہ خبیثاً کثیفاً میں اسی راز کی طرف اشارہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شائد پر بھی اسی طرح شکر فرماتے جس طرح کہ منتوں پر الحمد للہ علی ما یسأد و یتور۔

① صرف ایمان کی ضرورت ہے، اور شدتِ حب کی۔ ہر مصیبت کے وقت حق تعالیٰ کی جو بھلی ہوتی ہے، سو من کو اس بھلی میں ایسی عملات نصیب ہوتی ہے کہ وہ سمجھتی غم کو آسانی سے جھیل لیتا ہے۔ اور اکثر اوقات غلبہ بھلی سے اس کو دکھ بھی نہیں محسوس ہوتا، یہ بات اگر تمہاری سمجھ میں نہ آ رہی تو زلیخا پر طعنہ

لے شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں غیر کثیر رکھی ہو۔

لے شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس چیز پر جو بری معلوم ہو اور جو خوش نظر آئے۔

کرنے والی حسین بیبیوں کے حال پر غور کرو۔ یوسفؑ کے ہوش رہا بھال سے  
دارفتہ ہو کر انہوں نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، اور خبر بھی نہ ہوئی کہ درد کیا چیز ہے  
فلما دابنہ اکبر نہ دق طعن ایدہ لہن نیاں حال سے وہ کہہ رہی تھیں۔  
ایں است کہ خون خوردہ و دل بردہ بیٹے بسم اللہ اگر تاب نغراست کسے را  
شاید یہی سنی ہیں عرفا کے اس قول کے کہ "اِنس قرب سے اور اک  
الم مغفود ہو جاتا ہے۔

ایمان اور محبت میں پختہ ہونے کے بعد تم کو بیماریوں، بلاؤں، فاقوں  
میں وہ اسرارِ لطیف و رحمت نظر آنے لگیں گے کہ تم کہہ اٹھو گے کہ رسول اللہ  
نے پیچ فرمایا حفت الجنة بالمکارۃ وحفت النار بالشہوت بلاؤں  
اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ کی  
طرف متوجہ ہو جاتا ہے، ان سے رابطہ قائم کر لیتا ہے، اور سمجھوں سے ٹوٹ  
جاتا ہے، خلق سے فانی ہو جاتا ہے، غم سے زیادہ ٹوٹ سیرت سادگی کے لئے  
کوئی اور شے نہیں، غم ہی کے ذریعہ نفس کی خامیاں دور ہوتی ہیں، قلب کا  
تزکیہ ہو جاتا ہے، روح کا تجلیہ ہو جاتا ہے۔ بلا و غم کی وجہ سے اگر تم نے اپنے  
امراضِ قلبی کا معالجہ کر لیا، استقامت پیدا کر لی، تو یاد رکھو کہ غم نے تمہیں

لے پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔

لے جنت تان بلاں سے گھری ہوئی ہے، جو نفس کو ناگوار ہیں، اور دوزخ ٹھوٹوں،  
خاتہنوں سے گھری ہوئی ہے۔



فوز عظیم کے حاصل کرنے میں مدد دی، اور ایسے غم پر ہزاروں خوشیاں  
 قربان ہیں، وہ خوشیاں جن کی وجہ سے تم شہوتوں میں گرفتار تھے، ہوا و ہوس  
 کے شکار تھے، فطرتوں میں گھرے ہوئے تھے، اور نور سے دور تھے، حق تعالیٰ  
 سے تمہارا کوئی ربط نہ تھا، شیطان تمہارا قرین تھا، تم پر مسلط تھا، اور اس وعید  
 کے تم مصداق تھے۔ **وَمَنْ يَعْشَ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا**  
**فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ۔**

بلا کے اسی فلسفہ سے واقف ہو کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ افضل عیش رہبرین  
 دنیا کی (ہم نے بسر میں پائی) حضرت ابو بکر صدیقؓ، پیار ہوئے، لوگوں نے عبادت  
 کی اور کہا کیا ہم طیب کو بلائیں؟ فرمایا، طیب نے مجھے دیکھ لیا، کہا کہ بھر کیا  
 کہا، فرمایا کہ یہ کہا ہے کہ اِنِّیْ فَنَکَالُ لَیْمًا اَرِیْدُ، معروف کر رہی، فرمایا کرتے  
 تھے، **لیس یصادق فی دعوائہ من لم یکن ذلیلاً فبذوب مولاہ** جو اپنے مولا  
 کی ضرب سے تسلذ و نہیں ہوتا، وہ سچا غلام نہیں، اپنے دعویٰ عبودیت میں صادق  
 نہیں، بعض عارفین کی جیب میں یہ نگہ رکھا رہتا تھا، **اصیر لحکمہ ربک**  
**فانک باعیدنا۔** معصیت کے وقت اس پر نظر ڈالتے اور محض اس خیال سے

جلہ اور جو کوئی آنکھ ہارے، حق کی باد سے ہم اس پر مقرر کر دیں، ایک شیطان بھر دیں  
 رہے اس کا ساتھی۔

لے دی کرتا ہوں جو میں چاہوں

لے اور اپنے رعب کے حکم پر میر کر، کیونکہ تو مجھ ہی آنکھوں کے سامنے ہے۔

حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، مجبور تھے رخص کرتے۔ رسول اللہ نے اس آیت پر جعفر پایا تھا اور ام المومنین عائشہ صدیقہ آپ کے پاؤں پر گر گئی تھیں، اس لئے سلف کے بعد بزرگ تعزیت مصائب یوں کیا کرتے تھے اصبر لحکم ربک۔ اس کے ساتھ اس قول نبوی صلعم کا سنا دینا بھی مومن کی خاص تسلی کا باعث ہوگا،

اذا احب الله عبداً      حبب الله عبده سے محبت کرتا ہو تو اس کو  
ابتلاک فان صبرا اجتناب      مصیبت میں مبتلا کرنا ہے اگر وہ صبر کرے تو اپنا  
وان رضی اصطفاک۔      پسندیدہ اور افضل ہے تو برگزیدہ بنایا ہے

اب ایک کلی نفسیاتی قانون پر غور کرو: انسان کے لئے مصیبتوں اور آفتوں کا برداشت کرنا اس وقت کسی قدر آسان اور سہل ہوتا ہے۔ جب اس کو کسی اچھے بیل کی توقع ہوتی ہے، مثلاً اگر میں اپنے وطن سے دہراہل و عیال سے مجبور کسی جگہ تمام دن محنت و مشقت میں گزار رہا ہوں تو واقعی میرے لئے یہ ایک مصیبت ہے، لیکن میں اسکو مصیبت نہیں سمجھتا، کیونکہ مہینے کے ختم پر مجھے اس کا معاوضہ معقول تنخواہ کی صورت میں مل جاتا ہے۔ یہ میرے غول کو بھلا دیتا ہے، میرے زخموں کے لئے مرہم کا کام دیتا ہے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ان وعدوں اور بشارتوں پر غور کرو جو قرآن کریم میں اس شخص سے کی جا رہی ہے جو ابتلائے مصیبت سے اور صبر کر رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیائیں صبر ہی میں رکھی ہیں!

امام احمد رضی اللہ عنہ کی تحقیق ہے کہ قرآن میں صبر کا ذکر نو سے جگہ آیا ہے!

ہم یہاں چند ان بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جو صابر کے حق میں آئی ہیں، اگر وہ ان کو پیش نظر رکھے، ان پر یقین و اذعان کے ساتھ تفکر کرے تو یقیناً اٹھے کہ ”بلا از دست عطا است و از عطا نالیدن خطاست!“

صبر سے ہم حق تعالیٰ کے محبوب بنتے ہیں ان اللہ یحب الصابین<sup>۱</sup> اور جو حق تعالیٰ کا محبوب ہو اس کو کس چیز سے حزن ہو سکتا ہے اور کس چیز سے خوف و صابر کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ ان اللہ مع الصابین<sup>۲</sup> اور یہ معیت سوکھی معیت نہیں، جس کے ساتھ حق تعالیٰ ہوں وہ کیسے ذلیل ہو سکتا ہے، کیسے مقہور ہو سکتا ہے، غلظ اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ لاطاقۃ لخلق کم تعدۃ الخلق صبر ہی سے امامت و پیشوائی نصیب ہوتی ہے و جعلنا منهم ائمة یہدون بامرنا لما صبروا۔ خلق کی ہدایت کا منصب سپرد ہوتا ہے صابر کے واسطے اس کا صبر اوصاف کے نزدیک کے مقابل میں ایک زبردست سپر ہے و ان تضبطوا و تنقوا لا یضربکم کید ہم شیئاً بالآخران پر غالب ہونا اس کے لئے یقینی ہے فاصبر ان العاقبة للمتقين۔ اس کا اپنے مطلب پر فائز ہونا ضروری ہے

۱۔ اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۲۔ اللہ صبر کرنے والے کے ساتھ ہے۔

۳۔ اور کہئے ہم نے ان میں سے پیشوا جبرائیلؑ بتاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ مبر کرتے رہے۔

۴۔ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو ان کے کمر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

۵۔ پس صبر کرو کیونکہ متقین کا انجام نیک ہوتا ہے۔

وتمت کلمۃ دیک الحسنى علی بنی اسرائیل صا صیدوا! یعنی تیرے  
 پروردگار نے جو وعدہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا، یعنی دشمنوں سے نجات  
 اور ملک و حکومت کے عطا کرنے کا وعدہ مبرہی کی وجہ سے ایسا ہوا مبرہین  
 کے لئے غیر محدود اجر کا وعدہ کیا ہے انما یوفی الصابرون اجرهم بغير  
 حساب۔ سلیمان بن قاسم نے کہا ہے کہ ہر عمل کا ثواب معلوم ہے مگر مبر کا  
 اجر بغير حساب ہو۔ نے کی وجہ سے ناسلوم و ناقابل علم! حق تعالیٰ مبروں  
 کے لئے اپنی رحمت، ہدایت اور صلوة یکجا جمع کئے ہیں۔

اور یہ اکتھے ان کے سوا کسی اور کو نہیں دیتے ویشتر الصابین الذین  
 اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیه راجعون، اولیک  
 علیہم صلوة من ربهم ورحمة واولئک هم  
 المہتدون لہ

اگر درد، گریہ پا، سیرج الزوال، فانی درد مبر کے ساتھ برداشت کر لیا  
 جائے اور اس کی برداشت نامکن بھی نہیں کیونکہ ناقابل برداشت  
 تکلیف کسی کو دی بھی نہیں جاتی، تو دیکھو اس کے مواضع میں کپسا  
 مل رہا ہے؟ کزن چیزوں کا وعدہ ہو رہا ہے؟ اور کون وعدہ کر رہا ہے؟

---

لہ اور بشارت دو مبرین کو جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ  
 ہم اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کے  
 صلوات ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانٹتے ہیں۔

کس کی زبانی وعدہ کیا جارہا ہے ؟ اگر تمہارے قلب میں ایمان کی شمع روشن ہے، اگر وہ "خلافت" میں نہیں بانٹ دیا گیا ہے، اور نہ ہاں نہیں ہو گیا ہے، اگر وہ ادراک کی قوت رکھتا ہے اور ان عقائد کا ادراک کر رہا ہے تو کیا وہ اس کے لئے ایک نعمت ہے یا نہیں، وہ اس سے متعلق نہیں ہوگا اس کا مشتاق نہ ہوگا، اور شرط استیاق میں یہ چیز اس کی زبان سے نہیں نکلے گی،

ذہن غم و دست جزا شکر نیست      این تیر نصیب ہر جگر نیست  
بد کے دہد آں حبیب جہانی      شیریں بود اپنے تلخے دانی  
اب غور کرو اس حدیث کے مفہوم پر :-

یتیم اللہ عبدہ      حق تعالیٰ اپنے بندہ کی بلا کے ذریعہ خبر گیری  
بالبلاء کیا یتیم اللہ      کرستہ ہیں اسی نوع میں طرح کر رہے ہیں  
والد الشفیق ولدہ کا      باپ اپنے پیارے کی خبر گیری کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام کے یہی ادراکات تھے اور ان ہی کی قوت سے انہوں نے اپنا  
سابقہ سن و عمر اسلام کی راہ میں قربان کر دیا تھا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

۱۔ ابو سعید سے مراد غار دایت ہے۔ جہاں چار طرح کے ہوتے ہیں (۱) اور دیرینہ اس میں  
چار رخ راجتا ہے یہ سمن کا دل ہے (۲) غلغ میں کو غلاف میں بانٹ دیا گیا ہے بیکافر کا دل  
ہے (۳) منکر ہے اور نہ عام یہ خالص منافق کا دل ہے (۴) صغیر وہ دل ہے جس میں ایمان و انصاف  
دونوں موجود ہیں یعنی زبانی ایمان کا دعوئی اور حلی میں اس کا یقین نہیں۔

صبر کا ادب یہ ہے کہ زبان کو شکوہ شکایت سے روکا جائے تاکہ حق تعالیٰ کے اپنی مصیبت کا کسی سے گلہ نہ کیا جائے، انما اشکو بکفی و حذنی الی اللہ علیہ

دردم نہاں بہ طبیبان مدعی باشد کہ از خزانه فیہم دو کنند  
غور تو کرد کہ مخلوق سے شکوہ کرنے کے کیا معنی ہیں، یہی نہ کہ ایک غیر رحیم  
و غیر کریم ہستی سے شکوہ کیا جا رہا ہے، ایسا شخص کبھی حق تعالیٰ کی اطاعت  
کی حلاوت اپنے دل میں نہ پائے گا، اس صبر یہ ہے کہ مصیبت کو چھپایا  
جائے من کنوز البوکتان المصائب وما صبر من بیش۔ (حدیث)  
انس صرف ظاہر لیکن مصیبت میں یاورد کی حالت میں زبان سے ٹائے دے  
نکل جائے تو یہ سنا فی صبر نہیں بشرطیکہ ان سے شکوہ شکایت مقصود نہ ہو،  
اور محض استراحت منظور ہو، کیونکہ کہہنے سے توجہ درد کی طرف سے ہٹ  
اے میں ایک قسم کی محسوس ہوتی ہے، اسی لئے ”اغین“ ذالہ کی تفسیری  
قسم کے متعلق حکم ہے کہ لایکرا ولا یقدر فی الصبر۔ یعنی صبر کے معنی  
نہیں اور پہلی قسم کہ یہ روایت امام احمد و قاضی صبر قرار دیا گیا ہے۔  
بلا اور مصیبت کے وقت صبر کے معنی یہی ہیں کہ تلافی یا بعضا کیا جائے

۱۔ میں تو کھاتا ہوں اپنا اضطراب و غم اللہ کے سامنے۔

۲۔ میں کا خزانہ مصائب کے چھپانے میں ہے، جس نے اپنے مصائب کو ظاہر کر دیا  
اس نے صبر نہیں کیا۔

نظری طور پر مدعو خن ہو رہا ہو اور ہوگا کیسے نہیں یہ تو افتنائے بشریت ہے، انسان کا بل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کے انتقال پر فرما رہے تھے انا بفراقک یا ابراہیم المحزون (تیرے فراق نے اسے ابراہیم ہمیں محزون کر رکھا ہے) لیکن عقلی مدد نہ ہو رہا چاہیے یعنی اس مصیبت کے واقعہ کو بے محل اور قبل از وقت خیال نہ کیا جائے اس کے ساتھ توافق کیا جائے، زبان پر ہو ۶

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

اور دل میں یہ خیال ہو ۶

جہاں درد اند جہاں داشتن

اب حکم کے تحت اسباب قطعہ کا استعمال جائز ہے، بلکہ ضروری ہے، اللہ انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بغیر حارہ کا ر اختیار کرنے کے خاموش نہیں رہتی، لیکن اسباب کے استعمال میں نظر اسباب پر نہ ہو مستحب پر ہو تو اسباب پر اثر پیدا ہوتا ہے، علاج کا یہ طریقہ استعمال کیا جائے اس کے تمام اجزاء کو سمجھ کر ان کی پابندی کی جائے تو رفتہ رفتہ رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے جو راحت بکری ہے، دنیا میں حبّت عالیہ ہے،

استعانت کا چوتھا طریقہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔

انسان کی زندگی میں نعم بھی ہو اور خوشی بھی اور بچ بھی ہو اور راحت بھی ہے، خلعت بھی ہے اور نور بھی، فنون طیبہ نے اپنی کورسی عقل سے دنیا سے مبرا ہی کو شرف قرار دیا، اور بالآخر ہمہ شیطنت (PANDIA BOLISN) کے نظریہ کے حامی

ہیں گئے، ان کے تجربہ میں یہ دنیا بدترین دنیا ثابت ہوئی، اسوائے غم و حزن کے کوئی شے انہیں حقیقی نظر نہ آئی، اس کے برخلاف رجائیلہ نے اس دنیا کو بہترین دنیا قرار دیا، غم و الم ان کی رائے میں محض سنہ کا ذائقہ بدھنے کے لئے ہیں، تضاد سے لذت کی کیفیت میں اشتداد پیدا کرتے ہیں، حقیقی نہیں اعتباری ہیں، لیکن پس لڑیہ ہے کہ اس دنیا میں غم بھی حقیقی ہے اور خوشی بھی حقیقی، ان میں سے کسی کو التباس قرار دینا خود کو دعوے کے میں مبتلا کرنا ہے، حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے۔ اس کی تصدیق ہر شخص اپنے تجربہ سے ہر روز کر رہا ہے، وہ نہ بلا کو قائم پاتا ہے نہ نعمت کو، ہر دوسے گزر رہا ہے خوشی کے احساس کا انکار کر سکتا ہے، نہ غم کے اور لاک کا، بلا و نعمت کا پایا جانا ان کو محسوس ہوتا ہے، اور یہیں بارگاہ کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

سوجود ہونا دراصل محسوس ہونا ہی ہے ESSE LIST PER COPI

بات یہ ہے کہ حق تقابلے کے اسماء جلالی بھی ہیں اور جمالی میں اور یہ ہر وقت مصروف عمل ہیں، ایک لحظہ کے لئے سطل اور بے کار نہیں، خیر و شر، رخ و راحت، لذت و الم، نعمت و بلا، انہی کی تبدیلیات کا نتیجہ ہیں، اور حقیقی ہیں۔

۱۶۸۵ء تصوریت کا بانی اٹھارہویں صدی مسیحی کا ایک نہایت فریب اور تیز فہم فلسفی مشہور ہوا تھا کہ تصوریت کے وجود ہی سے انکار کیا، کائنات غیر مادی روحانی شے ہے اور محسوس نفس یا ادراک کی حمایت پر مشتمل ہے۔



انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بلا سے نجات چاہتا ہے، اور نعمت میں اضافہ  
 بعیرت محمدیہ نے دونوں کے لئے قلبی طریقے بتائے ہیں، بلاؤں میں صبر اور  
 نعمتوں میں شکر قلب انسانی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔  
 اس کو ایک طرف تو نالہ فریاد، ماتم سیدہ کوئی، یاس و قنوط سے نجات دیتے  
 ہیں، اور دوسری طرف کبر، عجب، فخر، عز و بغتر سے چھڑاتے ہیں۔ ان سبھی  
 و مضر جذبات سے نجات پا کر وہ قوت، ہمت اور عمل کا خزان بن جاتا ہے،  
 اور اس کے لئے کائنات کی تسخیر آسان ہو جاتی ہے، اس کی توانائیاں  
 مائیگانہ نہیں جابیتیں صبح جانب لگ جاتی ہیں، ابد ایک نقطہ پر مرکوز ہو کر حیرت  
 انگیز نتائج پیدا کرتی ہیں، مصیبت میں صرف اتنی احتیاط ضروری ہے کہ ارادہ  
 بالکل شکستہ نہ ہو جائے، ہمت بالکل ٹوٹ نہ جائے، بلا کا بہادری سے  
 مقابلہ کیا جائے، حواس مجاہدوں پر چیر صبر سے حاصل ہوتی ہے، اور  
 نعمت میں خطرہ اس بات کا لگا رہتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو بھول نہ جائے  
 جو تمام حسنات و عبادت کا منبع ہیں، اور اس طرح اس منبع سے دور نہ ہو جائے  
 اور ظلمتوں میں گرفتار نہ ہو جائے، شکر سے یہ خطرہ رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ  
 شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نعمت کو حق تعالیٰ کی جانب سے دیکھا جائے، اپنی  
 ذات یا خلق کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے، کیونکہ دراصل حق تعالیٰ  
 ہی ضار ہیں، اور نافع، نفع و ضرر اپنی کے دست قدرت میں ہیں، گو حواس  
 کی نگاہ کو یہی نظر آتا ہے کہ نعمت خلق ہی کے ہاتھ سے پہنچ رہی ہے لیکن چشم  
 بعیرت جانتی ہے کہ یہ محض بمنزلہ اسباب و آلات نعمت ہیں، قاسم، مجری و

فَاعِلٌ مِّنْ حَقِّ تَعَالَىٰ هِيَ هِيَ وَمَا يَكُم مِّنْ نِّعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ أَجِبَ  
 انسان اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اس  
 کی نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں، یہ ان کا تقاضی وعدہ ہے، کسی استثناء کی  
 تمنا یا شکر نہیں کہیں شُكْرُكُمْ لَا يَزِيدُكُمْ إِلَّا مَلَّةً أَجَابَتْ دُعَاءَ رِزْقٍ وَغْنًا قُورْبًا  
 مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے، لیکن شکر کے عوض زیادتی نعمت کا  
 حصول بلا تعلق ہے، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-  
 مَنْ نَزَلَتْ إِلَيْهِ نِعْمَتُهُ فَيَشْكُرْهَا، جس کسی پر نعمت کا نزول ہو،  
 اس کو چاہیے کہ شکر ادا کرے،

سید مرسلان و مرسل راز	داد فرمان بشارت و ناز
گلِ نعمت بائے ہر کہ شگفت	شکرا کی روز و شب بایاد گفت
اس عظیم الشان صداقت کو جس پر نعمتوں کی بقا منحصر ہے افحام الحروب	
والعجبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نفیاتی طریقے سے ادا فرمایا ہے	
النِّعْمَةُ وَحَشِيَّتُهُ قِيْدُهُمَا	نعمت، ایک وحشی جاذب ہے شکر کی
بِالشُّكْرِ -	نہیں ہیں سے اس کو باندھ رکھو۔
خاتم ملک وحی و خاتم دین	شکر فرمود بر خیفہ و سہین
باز نعمت چہ بہت وحشی را	صید از قید شکر کن اورا
چوں گزاری خوشگوار استیزو	در شوی ناسپاس بگریزو

۱۔ اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں (نعمتوں میں) اضافہ کرتے ہیں۔

نعمیات کا یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ انسان کو جب یہ نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، لیکن چند روز بعد یہ نعمت اپنی مالوسیت کی وجہ سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے، اب اس میں کوئی مذمت باقی نہیں رہتی، اس کے باوجود اسے اس کو کوئی خاص فرق اپنی زندگی میں محسوس نہیں ہوتا، اور باوجود ناز و نعم میں گھرے ہونے کے وہ ضیق محسوس کرتا ہے، لیکن اگر یہ مفقود ہو جائے، یا ناکامی سے چھین لی جائے تو اب اس کو اس کی قدر ہوتی ہے، قدر نعمت بعد زوال اسی صداقت کا اظہار ہے، علاوہ ازیں احساس نعمت کا مفقود ہونا گویا نعمت ہی کا مفقود ہوتا ہے، اگر نعمت سے مجھے خوشی نہ ہو، اوقات ہوں، نقیب ہو، تو یہ میرے لئے نعمت نہیں رحمت ہو، اللہ تعالیٰ کو سمجھ لینے کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ از دیا ر نعمت میں شکر کا کتنا دخل ہے، نعمت کے شور سے نعمت کا بقایا ہے، شور کا فقدان نعمت کا فقدان ہے، اسی لئے احساس نعمت کو زندہ رکھنا چاہیے، اور یہی چیز شکر سے حاصل ہوتی ہے، حضرت حسن بصریؒ "شکر کو جالب" حافظ" کہتے تھے کیونکہ وہ سب سے سبب نقصان سے محفوظ ہو جاتی ہے، اور چونکہ شور میں نعمتوں کے ادراک کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، وہ ان چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا بھی مشاہدہ کرنے لگتا ہے جو اس کے قبل نظر سے پوشیدہ تھیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شکر سے نعمتوں میں قطعی اضافہ ہوتا ہے، الشاکر یستحق المزدید، شاکر دہائی کا مستحق ہے، ایک نعمتی صداقت ہے، اسی لئے

ہمارے اسوۂ حسنہ کو جب بھی کوئی اس خوشی کا پیش آنا تو شکر الہی کی ادائیگی کے لئے سجدہ میں گر جاتے (رفاہ احمد)

انسان کی کچھ عجیب فطرت ہے، نعمتوں کو بہت جلد عیول جاتا ہے، اور مصیبتوں کا ہمیشہ شکوہ کرتا رہتا ہے، کسی عرب شاعر نے اس پر خوب تنقید کی ہے۔  
یا ایہا الظالم فی فسلک والظالم مردود علی من ظلمہ  
الی متی وحسب متی تشکوا المصیبات وتشی النعم

نہا ہمیں اپنی ان نعمتوں کو دہرا کرنا چاہیے جن کی طرف ہماری نظر نہیں جاتی، پہلے "نعمت نفع" کو پیٹھ پیچھ "نعمت دفع" کو دونوں پیشاں ہیں۔  
نعمت نفع "میں آدمی اپنے صحیح و سالم قد و قامت پر فخر کرے، صحت و عافیت پر غور کرے، ان لذتوں کا خیال کرے جو کھانے پینے اور جنسی خواہشوں کی تکمیل میں اس کو میسر ہیں، پھر "نعمت دفع" کے سلسلہ میں یہ دیکھے کہ وہ اپنا صحیح نہیں ہزاروں بیماریوں سے محفوظ ہے، دشمنوں اور مخالفوں کے شر سے مامون ہے، صاحب ایمان پھر نعمت کو ایک اور نقطہ نظر سے دیکھ سکتا ہے اس کو "نعمت توفیق" بھی حاصل ہے، اور "نعمت عصمت" بھی۔  
نعمت توفیق یہ کہ اس کو ایمان، توحید، صدق و استقامت حاصل ہے، نعمت عصمت یہ کہ وہ کفر و شرک، نفاق و ارتداد، بدعت و فسق و فحش سے محفوظ

---

لے اپنے من میں ظلم کے روار کھینے والے تجھے معلوم ہے کہ ظلم ظالم پر لڑتا کرنا ہے کہنگ اور کہاننگ تو مصیبتوں کا شکوہ کرتا ہے گا اور نعمتوں کو بھولنا چاہئے گا؟

لکھا گیا ہے، اگر ان نعمتوں کی وہ تفصیلات میں جائے، ان کی جزا پر نظر کرے، اپنی صلاحیت و استعداد پر غور کرے، یہ دیکھے کہ اس کو ان نعمتوں کا کیا حق ہے تو بے اختیار پہنچ اٹھے،

یہ لطف تو سن مترار نواغم کرد      احسان تو شمار نواغم کرد  
گر بختن من زبان شود ہر سمیٹے      یک شکر نواز ہزار نواغم کرد  
(ابوسعبد مہنہ)

سچ ہے ان تعدداً نعمۃ اللہ کا مخصوص ہاد اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو گن نہ سکو گے، اب ان لا تعداد احسان کا شکر انسان کیسے ادا کر سکتا ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکر ادائے شکر سے اپنے عجز کا جان لینا ہے۔ ادائے شکر کے ساتھ ہی ایک اور شکر لازم آتا ہے، کیونکہ شکر کی توفیق بھی تو حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور یہ توفیق خود ایک بڑی نعمت ہے۔ جس کا شکر ضروری ہوا، پھر اس کا شکر و حکم حَبْرًا کَاِلٰی ذٰہَاکَیۡۃ۔ اس لئے احسان و منت باری تعالیٰ کا مشاہدہ خود شکر ہے، ان کی نعمتوں کا اعتراف خود شکر ہے، ان کے حصول کے بعد رضیات حق پر قائم رہنے کی دعا خود شکر ہے، ان پر حق تعالیٰ کی ثنا خود شکر ہے!

حق تعالیٰ سے استغاثت کے دوسرے طریقے اجمالاً یہ ہیں، ہمیں چاہیے کہ گناہوں کے صدور پر توبہ کریں، حق تعالیٰ مغفرت سے ہماری استغاثت فرماتے ہیں، انہ کان للادوا بین غفوراً وہ رجوع کرنے والے کو مہربان کرتے ہیں، کتنا تسکین بخش اور محبت آمیز پیام ہے، انی عفا لمن تاب

وامن وعمل صالحاً ثم اهتدای، میں صاف کر دیتا ہوں اس کو جس نے توبہ کی، ایمان لایا، نیک عمل کئے اور پھر اس راستہ پر چلا، توبہ و ندامت سے گناہ کی سیاہی قلب سے محو ہو جاتی ہے، گناہوں سے تنہر پیدا ہو جاتا ہے نیکیوں سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور تائب حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ ۝

ہم نے اوپر تفصیل سے دکھایا ہے کہ قوت و اثر، اصالت حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں لا شَوْكَةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہماری خوف ورجا کی نسبت صرف حق تعالیٰ سے قائم ہو جاتی ہے اور اس کے قیام کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ہمیں مخلوق سے غنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اور اس غنا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس قاتل جذبہ کے چنگل سے آزاد ہو جاتے ہیں جس نے سب پرستوں کی زندگی کو سکون و طمانیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے یہ خوف کا جذبہ ہے جس نے ان کو سوتے جاگتے ہر وقت پریشان، مضطرب اور ہوش باغشتہ کر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے انہیں ہر کونہ میں ایک دام دکھائی دیتا ہے اور ہر گوشہ میں ایک درندہ۔

اگر ہم اس امر میں حق تعالیٰ سے استعانت چاہیں کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں اور ہم سے راضی رہیں، تو ہمیں چاہیے کہ ہم حق تعالیٰ کو یاد رکھیں اور ان کے ہر حکم و فعل سے راضی ہو جائیں فاذا کرد فی اذکر کلمہ، تم مجھے یاد کرو میں بتائیں یاد کروں گا، اسی لئے فرمایا کہ اذکر واللہ ذکر اکثریٰ، اور ہمارے راضی ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جاتے رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہ

انہاں کہ رضائے حق یہاں سے جویندہ دریاہٗ رفاستے اور ہر ہی پوسیندہ ہر ایک ہمہ آن کند کہ حق فسر یابد حق نیز یہاں کند کہ ایشاں گویشندہ اوپر جو کچھ ہم نے کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ درہیب یا دین مشتمل ہے دو اجزاء پر عبادت و استغانت پر **اَلَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار سے ہمارے قلوب سے غیر اللہ کی عبودیت و ربوبیت فنا ہو جاتی ہے اس قلب کی عظمت کا کیا کہنا جس سے غیر اللہ کی عبودیت و ربوبیت قلم ہو کر اللہ کی ربوبیت و عبودیت شمعیں ہو گئیں ہے جس کے الہ قطعاً اللہ ہیں، یعنی جس کے معبود جس کے سجدہ جس کے مطلوبہ جس کے مقصود قطعاً اللہ ہیں، جس کے رب جس کے ستان قطعاً اللہ ہیں، اس قلب میں توحید کا جلوہ ہے ایمان کا نور ہے، وہ نورانی قلب ہے، حق تعالیٰ کا محبوب ہے اور حق تعالیٰ اس کے وکیل ہیں، کفیل ہیں، ولی ہیں، مولیٰ ہیں، نصیر ہیں، حفیظ ہیں، اور نادی ہیں۔

اس ضمن میں چند تشریفات یاد رکھو، جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ فات اللہ ہی کو الہ قرار دینا، یعنی عبود و ستان قرار دینا، زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، توحید ہے، اس اقرار و تصدیق سے قلب سے شرک کا خوں ہوتا ہے اور توحید داخل ہو جاتی ہے، جس فات پاک نے یہ پیام ہم تک پہنچایا (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی رسالت کے اقتدار و تصدیق سے دل سے کفر کا خوں ہو جاتا ہے اور ایمان جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔ ایمان میں دو چیزیں ہیں، اور توحید میں بھی دو چیزیں۔ ایمان میں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی الوہیت کی تصدیق ہے، توحید میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت اور ان کے اہمیت بندہ کی عبادت و استغاثہ کی تصدیق داخل ہے، اس کا زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا شک و نفاق ہے، اسکی تصدیق کے بعد انکار ارتداد ہے، یہ مثل شرک کے دین و مذہب کی نفی ہے، عبادت ہے اور اس لئے ناقابل معافی! اور بدعت بھی بری بلا ہے، یہ دین میں کسی نئی بات کا پیدا کرنا ہے، جو دین کی بات نہیں، اس کو دین سمجھنا ہے غیر شریعت کو شریعت بتانا، افراسی اللہ اور ایک گوہ "ادمانے نبوت" ہے، بدعتی کو تو یہ کم نصیب ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کو مستحق سمجھ رہا ہو پھر توبہ کیوں کرے گا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ -

قبل ایمان کفر و شرک ہے تو بلازم ہے، پھر ایمان یعنی لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار جس سے غیر اللہ کی معبودیت اور ربوبیت فنا ہو کر اللہ کی معبودیت و ربوبیت قائم ہو جائے اب نفاق ارتداد بدعت افسق و فجور سے احتراز ایمان اور عمل صالح پر استقامت، یہ ہے دین یا بندگی "جس کے متعلق عارف روم نے کیا خوب کہا ہے۔"

گر تو خواہی حسی ہر دلی بندگی      بندگی کن بندگی کن بندگی  
زندگی مقصود بہر بندگی است      زندگی یہ بندگی شرمندگی است  
جز خضوع و بندگی و اضطراب      اندرین حضرت ندارد اعتبار



هر که اندر عشق یابد زندگی کفر باشد پیش او جز بندگی

ذوق باید تا دهد طاعات بر

مغر باید تا دهد دانه تجر

قل هذم سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا و من اتبعنی

وسبحان الله و ما انا من المشرکین (یوسف ۱۲۲)



## ضمیمہ

مندرجہ ذیل نقشہ سے دین کے سارے اجزاء کی تخصیص پیش نظر ہو جاتی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

ذاتِ اللہ

ذاتِ خلق

ربوبیت

عبودیت

ربوبیت

عبودیت

استغاثت

عبادت

استغاثت

عبادت

غلامِ روزہ زکوٰۃ حج اتباعِ اہلِ بیت و اجتنابِ فحاشی قربانی نذر و عقیقہ ذبح و کھانا توکل مہرِ شکر خوف رجا ذکرِ رضا

## نیکی علم ہے

علمیہ کہ درو عملیہ نباشد عار است      ہر سچہ کہ بے فکر و ذرا راست  
ہر کس کہ بہ علم بے عمل می نازد      عالم نبود اعلیٰ مشعل دار است  
(میر علی جبرو باخانی)

یونان کے شہرہ آفاق مفکر سقراط کی تعلیمات کا خلاصہ پوچھا جائے تو اس  
بھی مشہور قول ہے کہ نیکی علم ہے اور بدی جہل اس سے سقراط کا لفظ ہر  
بھی مطلب بتا کہ عمل صالح (نیکی) علم صحیح کا نتیجہ ہے اور علم صحیح تیقن کے درجہ  
میں عمل نیک سے جدا و منفک نہیں ان میں سے ایک ضروری و لازمی ربط  
پایا جاتا ہے یہ لازم و ملکوم ہیں، سچ پوچھو تو از باب علم کی تعریف ہی اس  
طرح کی جاسکتی ہے الذین یعملون بہما یصلون۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو  
اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، ہر کتاب خواں و کتاب دان عالم نہیں قرار دیا  
جاسکتا، وہ عالم نہیں مثلاً ذہب بالمسابیل، مسائل علمیہ کا حافظ اور ان سے

لذت اندوز ہونے والا ہے، عوام کا یہ ظن محض ہے کہ ہر کرم کتابی کو وہ عالم سمجھتے ہیں، ”اعلیٰ شعل دار“ کو بیٹا جانتے ہیں اور اپنی اس دہم کی تائید میں تعلیل ”شعل سے کام لیتے ہیں“ اس مختصر مقالہ کا مقصد اس بنیادی غلطی کا ارتقاع اور اس کی تائید میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان کا ابطال ہے۔ ایک تفتیشی راغ می باید کرو

فدا سقراط کے اس قول کو کہ ”نیکی علم ہے“ اور وضاحت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرو، کیا علم صحیح عمل صالح کے لئے ضروری نہیں؟ کیا جہاز رانی کے لئے جہاز کی ساخت اور اس کے کام سے واقف ہونا ضروری نہیں؟ اسی طرح کیا حکمرانی کے لئے مملکت کی اہمیت و مقصد و غایت کا جاننا لازمی نہیں؟ بالکل اسی طرح جب تک ہم یہ نہ جانیں کہ نیکی کیا ہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ خصائصِ حسنہ کیا ہیں، تقویٰ کیا ہے، عفت و شجاعت کیا ہے، مکت و عدالت کیا ہیں۔ اور ان کی ضد خصائلِ سیئہ کیا ہیں، کیا ہم نیک بن سکتے ہیں، تقویٰ اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، لیکن جب یہ معلوم ہو جائے کہ نیکی کیا ہے، ہم نیک بن سکتے ہیں!

یہاں تک تو عوام کو بھی سقراط کی رائے سے اتفاق ہو گا کہ جب تک آدمی کو نیکی کا علم نہ ہو وہ نیک نہیں بن سکتا، اس معنی میں قطعاً نیکی علم ہے، لیکن سقراط فطرتِ انسانی کا راز دار تھا، اس کی رائے میں فطرتِ انسانی کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ شر کو خیر پر ترجیح دے، وہ قطعاً خیر ہی کا ساتھ دے گی، کیونکہ خیر ہی میں اس کا ذاتی فائدہ ہے، نفع ہے، بھلا ہے، خیر کے

ہم سب عاشق ہیں، خیر ہی ہمارا محبوب ہے ہم سب اسی کے پروانے ہیں  
 یہ ممکن ہے کہ جہل کی وجہ سے ہمیں شریر نظر آئے، شر کو ہم خیر سمجھنے لگیں،  
 اور اس علم باعمل کی وجہ سے شر کا ساتھ دیں اور اس کو اختیار کریں،  
 لیکن یہ ہماری فطرت کا قصور نہیں، یہ ہمارے اسادہ کا نقص نہیں، یہ ہمارے  
 علم کا قصور ہے، جہل کی تاریکی میں ہمیں خیر کے صحیح خدو خال نظر نہیں  
 آتے اور ہم سراب کو آب سمجھنے لگتے ہیں اور اس پر گرتے ہیں، اسی لئے بدی  
 جہل ہے، اور صرف جہل ہی بدی ہے! اور جہل نام ہے علم صحیح کے  
 نقصان کا! جہل میں بھی جو علم نظر آتا ہے وہ علم صحیح نہیں، دھوکہ ہے اور  
 اس کا عالم 'عارف' نہیں، 'جاہل' ہے!

③ اگر فطرت انسانی کے متعلق سطر آٹھ کی یہ بات صحیح ہے تو ہمیں اس کا  
 یہ قول ماننا ہی پڑتا ہے کہ "کوئی شخص ارادۂ بد نہیں" کوئی شخص ارادۂ  
 شر کو اختیار نہیں کرتا اور جب وہ دو برائیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے  
 پر مجبور ہوتا ہے، تو بڑی برائی پر ناتھ نہیں ڈالتا جب وہ چھوٹی برائی کو  
 چن سکتا ہے، اور ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے جہل ہی کی وجہ سے  
 ہم شر کو اختیار کرتے ہیں، گناہ میں پڑتے ہیں لہذا جہل ہی گناہ ہے بدی  
 ہے، جہل سے مراد یہاں عدم علم نہیں بلکہ سفارت یا حماقت ہے، اس  
 لئے جاہل ایک معنی میں عالم کہلایا جاسکتا ہے، لیکن ہر معنی میں وہ احمق  
 ضرور ہے، عوام جنہیں اپنی رائے میں عالم قرار دیتے ہیں وہ حقیقی معنی  
 میں سفید یا احمق قطعاً ہوتے ہیں، وہ خیر کی مابہتیت سے جاہل ہوتے ہیں

اپنے نفع و ضرر سے بے خبر ہوتے ہیں، وہ انشاء کے بطون سے واقف نہیں ہوتے، وہ مظاہر کے حسی علم میں گرفتار ہوتے ہیں، وہ اصل میں سرتِ خواب ہوتے ہیں، لیکن خواب میں اپنے کو بیدار سمجھتے ہیں، ۶

خفتہ دائم غریب را بیدار می بیند بہ خواب (صائب)

جذبات سے زیادہ جہل کی سورت کوئی اور شے نہیں، ارسطو نے سقراط کے اس قول پر جو تنقید کی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے، ارسطو کی رائے میں انسان کے اکثر اعمال پر جذبات کی حکمرانی ہوتی ہے، ان کی محرک شہوتیں ہوتی ہیں، عقل یا علم صمیم نہیں، عمل جذبات کے تابع ہوتا ہے (۱۲) اور جذبات ارسطو کے الفاظ میں "روح کا غیر عقلی حصہ ہوتے ہیں" سقراط کا عمل اس کی عقل کا تابع تھا، اس نے خیال کیا کہ ہر شخص کا عمل اسی طرح عقل کا تابع ہوتا ہے، اسی لئے اس نے نیکی کو علم قرار دیا، لیکن "روح انسانی کے غیر عقلی حصے، جذبات، اپنی قوت و شدت کے لحاظ سے مرد افکن ہوتے ہیں، اور انہی کا تسلط انسان کے دل و معارف پر ہوتا ہے، یہ عقل و حکمت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، ان کا پیدا کردہ عمل بھی علم اور نیکی سے عاری ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انسان راہِ مستقیم کو جاننے کے باوجود بھی جذبات کے زیر اثر گمراہی اختیار کرتا ہے، مائع میں شمع رکھنے کے باوجود چاہ میں گر جاتا ہے، دُعا اعلیٰ مشعل دار ہے "چار پائے بروکنا بے چہر" کا مصداق ہے، از بابِ سنت میں "علیم باللسان" اور "جاہل بالقلب" ہوتا ہے اس کے وجود ہی سے حافظ کی یہ شکل پیدا ہوتی تھی۔

شکل کے دو دم نہ دانتھند مجلس بائیں پرس تو بہ فرمایاں چرا خود تو بہ کتر می کنند  
ارسطو کی اس تنقید سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نیکی محض علم ہی نہیں  
بہر عالم مرد صالح نہیں، علم کے باوجود انسان کا نیک کردار بن جانا ضروری نہیں  
جیسا کہ اس راہ کے مزارعہ ہیں۔

۱۵ بیان بیل در فائدہ فرق بسیار است۔ گویا بہ رتبہ کرداری رسد گفتار  
سقراط کا یہ کہنا صحیح ہے کہ علم یا بصیرت نیکی کے لیے قطعی ضروری ہے،  
اس کے بغیر نیکی کی راہ نہیں ملتی، لیکن ارسطو کہتا ہے کہ محض علم ہی کافی نہیں  
اور وہ بھی ضروری ہے، علم کا استعمال ہونا چاہیئے، اس کے لئے مجاہدہ کی ضرورت  
ہے، مجاہدہ سے عمل آسان ہوتا ہے، عمل کی تکرار سے عادت قائم ہوتی ہے  
عدہ عادتوں کے قیام ہی سے انسان نیک بنتا ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ۶  
پندرہ روز جہد کن باقی بخند !

ارسطو کی تنقید لا جواب نظر آتی ہے، لیکن سقراط کی بات پر غور کرو، شاید بلاخر  
تم اسی کی بات سے اتفاق کرو گے، تم کہتے ہو کہ عالم بے عمل کا وجود اس بات  
کی دلیل ہے کہ محض علم نیکی نہیں جس کا دعویٰ سقراط کرتا ہے، انسان کو علم و  
یعین ایک بات کا ہونا ہے اور وہ عمل اس کے خلاف کرتا ہے، لیکن سوال  
یہ ہے کہ اس کا یہ علم یہ یعین کس پایہ کا ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ جو لوگ دوسروں کو  
ترک دنیا کا سبق دیتے ہیں اور خود سیم و غلہ جمع کرنے میں ترک دنیا کے قائل ہیں

۱۶ ترک دنیا بہر دم آموزند خوشتر سیم و غلہ اندوزند

اس پر یقین نہ کیجئے، اب کا قلب اس کی صداقت پر گواہی دیتا ہے، وہ خود بھی  
 شاید یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اس پر یقین ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں یقین  
 صرف اسی چیز کا ہے جس پر وہ عمل کر رہے ہیں، اگر انہیں روحانی افتاد کی حقیقی  
 قیمت کا یقین ہوتا تو وہ قطعی اس کی تلاش کرتے اور حکام دنیوی کی طرف  
 نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، انسان کی فطرت ہی میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنا  
 بعدا چاہتا ہے، غائبہ کی تلاش کرتا ہو اور نقصان یا ضرر سے بھاگتا ہے، میں  
 جانتا ہوں کہ آگ پر انگلی رکھنے سے شدت کی سوزش ہوتی ہے، اس  
 لئے میں آگ کے قریب نہیں جاتا، اگر اسی قسم کا یقین مجھے ہو جائے کہ آخرت  
 قابل ترجیح ہے، کیونکہ یہی باقی رہنے والی ہے تو پھر میرے لئے یہ ناممکن ہے  
 کہ میں آخرت کی پروا نہ کروں، اور ”محبہ مستورہ دینا“ کی نافرمانی کرتا رہوں  
 جیسا کہ ہم نے اوپر وضاحت کی ہے، اجہل یعنی صبیح علم و یقین کے فقدان ہی  
 سے شرکار ارتکاب عمل میں آتا ہے، اس پر حال یہ نفسیاتی قانون صبح ہے ۱۵  
 کہ ”عمل تابع حال ہوتا ہے اور حال تابع علم و یقین“ لہذا عمل ہی سے حال  
 و یقین ظاہر ہوتے ہیں، کسی شخص کے یقین کا پتہ چلانا ہو تو اس کا عمل دیکھا  
 جانا چاہیئے نہ کہ محض قول، خود اس شخص کو اپنے یقین کی کیفیت اس کے  
 اپنے عمل ہی سے معلوم ہوتی ہے، نفس کے دھوکوں کا حال عمل کے قاسب  
 سے ظاہر ہو جاتا ہے اور حال قابل اعتبار ہے نہ کہ قال، کردار پر تعصیف  
 ہوتا ہے نہ کہ محض گفتار پر۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دم بے قدم



غرض یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر شخص اپنے علم و یقین کے مطابق  
 ہی عمل کر رہا ہے تو سقراط کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ نیکی علم صحیح کا  
 نام ہے، علم صحیح قطعاً عمل صالح پیدا کرتا ہے، انسان کو اپنے فائدہ کا علم  
 اور اس پر یقین ہونے کے بعد اس کو اختیار کئے بغیر وہ رہ نہیں سکتا، کیونکہ اس  
 کی فطرت ہی ایسی ہی ہے کہ وہ خیر کی طرف راغب ہوتا ہے، بشرطیکہ  
 اس کو خیر کا علم ہو جائے اور خیر ہی کے علم کو صحیح معنی میں "علم" کہا جاسکتا  
 ہے اور بقائے حق ہی سے دیدہ بننا حاصل ہوتا ہے۔  
 دیدہ بننا از لقائے حق شد حق کجا ہمراہ ہر امن شود  
 (ردی)

اب ہم تعویذی دیر کے لئے "تعلک یونانیاں" سے حکمت ایمانیاں کی طرف  
 رجوع کرتے ہیں، نور عقل و حس کو نور حق سے زینت بخشنے ہیں۔  
 نور حس را نور حق تزئین بود معنی نور علی نور ایں بود  
 (ردی)

⑤ نیکی علم ہے، کیونکہ علم کی اصل "خشیتہ اللہ" ہے (خوف خدا ہے) اِنَّمَا  
 یُخَشِی اللہَ مِنْ عِبَادِہُ الْعُلَمَاءُ (پ ۱۹۶۲) خدا سے اس کے وہی بند  
 ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، اس لئے ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ کبھی بخشیتہ  
 اللہ علماء و کبھی بالاعتذار باللہ جھلا۔ جب علم خوف خدا کا نام ہو

لہ الامام عذہ نے سرف سے نقل کیا ہے۔

کثرت روایت کا نہیں، معلومات کا ذخیرہ جمع کرنے کا نہیں (السیل النعم  
 بکثرة الروایت فمکن العلم الخشیة) تو ایسا علم قطعاً عمل کو درست  
 کر دیتا ہے، یعنی اس سے نیکی پیدا ہوتی ہے، انسان صالح بن جاتا ہے  
 اور اسی معنی میں کہا جاسکتا ہے کہ نیکی علم ہے، اور عالم وہی ہے جو خدا سے  
 ڈرتا ہے اور جاہل وہی ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے من خشی اللہ  
 فهو عالم ومن عصاہ فهو جاہل، اس بناء پر ہم ہر کتاب خواں  
 و کتاب دان کو عالم نہیں کہہ سکتے، امام شعبیؒ اپنے وقت کے علماء سے کہا  
 کرتے تھے کہ تم عالم نہیں ”ستلذذ بالمسائل“ سو

مسائل سے بحث میں تمہیں لذت ملتی ہے، اور یہی لذت  
 تمہاری غایت ہے، عالم سے مراد عالم باللہ فی اللہ عارف باللہ ہے،  
 یعنی عالم وہ ہے جو عرفان حق و خوف خدا رکھنے کی وجہ سے اللہ ہی کے لئے  
 عمل کرتا ہے اور عمل کا مقصود اللہ ہی کی رضا و محبت کو قرار دیتا ہے۔

اسی علم کو زبان سنت میں ”علم نافع“ کہا گیا ہے اور اس کی وضاحت  
 کی گئی ہے، یہ علم ایک نور ہے جو عالم کے حجابات کو رفع کرتا ہے۔ اور  
 اس کو عرفان حق عطا کرتا ہے اسی علم کی وجہ سے وہ اپنے رب کی طرف  
 راہ یاب ہوتا ہے اور اس کو پہچان کر اس سے انس ہو جاتا ہے، اس کو  
 اپنے سے قریب بلکہ ”اقرب پاتا ہے، اس کو حاضر و ناظر جانتا ہے۔  
 اس باشت قریب کی وجہ سے عالم کا انس اللہ سے بڑھتا جاتا ہے۔ اب  
 اس کو دیگر میں لطف و عین حلاوت، مناجات میں لذت، ادا کے فرض عبودیت

میں سرور و مسرت حاصل ہوتی ہے اب اس کا مقصود حق تعالیٰ ہو جاتے ہیں، جان و مال، فرزند و زن سے وہ زیادہ عزیز و محبوب بن جاتے ہیں اور وہ انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے :-

معاہم کہ ہمیشہ درمواسے توذیم خاک کے شوم وزیر پائے توذیم  
مستغفروں خستہ زکویں توئی از بہر تو میرم و برائے توذیم  
(سمائی استر آمادی)

جب یہ تعلق مجدد میں اور اس کے رب میں پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح جان پہچان ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، کہنی باللہ و کیلا، جو کچھ وہ مانگتا ہے اس کو ملتا ہے، جو کچھ وہ چاہتا ہے اس کو دیا جاتا ہے اور وہ چاہتا وہی ہے جس میں ان کی رضا ہوتی ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر شے کا عوض حق تعالیٰ میں لیکن ان کا عرض کوئی شے نہیں۔

۷  
مکمل شیئ اذا فارقته عوض ولیس لله ان فالقت من عوض  
عارف و روحی نے اسی مطلب کو اپنے سریلے نغموں میں لیں ادا کیا ہے کہ عیب بندہ کو اپنے بادشاہ سے اس پیدا ہو جاتا ہے تو پھر سارے درد و غم کا علاج مل جاتا ہے اور اس کی طرف رخ کر کے

---

مات ہر چیز کا جو تجھ سے جاتی رہے بدلہ ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے باتار ہے تو اس کا کوئی لینین نہ لیکن سائل متنی لا عینا، ولکن استغاذنی کا عید نہ۔

وہ سارے جہان سے فارغ ہو جاتا ہے ۔

آئندہ شہنشاہ بہ شاہ فرد خورشید یافت درما نہائے مجاہد در د خورشید  
چوں انان اقبال شیرین شد طالع سرودہ برآدھی ملک جہاں !  
جس کو یہ علم نافع عطا ہوتا ہے اس کو مزید تین چیزیں دی جاتی ہیں قلب  
خاشع ، نفس قانع اور دماغ مسموع ۔ جب اصل علم خشیہ اللہ ہے تو علم کے  
ساتھ ہی خدا کا خوف بھی عالم کے قلب میں پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس کا نفس دنیا  
سے سیر ہو جاتا ہے وہ طالب دنیا نہیں رہتا ، وہ طالب علم و رفعت  
نہیں ہوتا ، وہ اپنی شہرت کا غلام نہیں رہتا ۔ اس کو دولت و ثروت کی  
ہوس نہیں رہتی ، وہ معصروں اور دوستوں میں بلندی کی تمنا نہیں رکھتا ،  
اس کو مجلسوں میں ناغوں آتھ لے جانے کی آرزو نہیں رہتی امام مہدیان  
ثوری ( امام حسن کے الفاظ میں وہ : زاهد فی الدنیا ، راعب فی الآخرۃ  
بصیر بدینہ ، مواظب علی عبادتہ ربہ ، ہوتا ہے ، یعنی دنیا میں نہایت اختیار  
کرتا ہے ، آخرت کی طرف راعب ہوتا ہے ، اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہے  
اور اپنے رب کا عبادت گزار بندہ ہے ، دوسری روایت میں اسکی تفسیر یہ  
یوں کی گئی ہے الذی لا یحسد من فوقہ ولا یسخر من دونہ ولا یوخذ  
علی علمہ علیہ اللہ ، یعنی وہ اپنے سے بڑے پر حسد نہیں کرتا اور اپنے سے  
چھوٹے کا تمسخر نہیں کرتا اور اس علم کی وجہ سے جو اس کو اللہ نے سکھایا  
ہے اس کا مواخذہ نہیں ہوتا ۔ جل جلالہ اس کا علم زیادہ ہوتا جاتا ، اللہ  
سے اس کا خوف ، تواضع اور انکسار زیادہ ہوتا جاتا ہے راعب العلم

المنافع كلها ازدادوا من هذا العلم ازدادوا الله تواضعاً وخشية و  
وانكساراً وذللاً (دعا ابن عمرو) عالم میں خاک کی طرح تھل، نل و افتقار  
پیدا ہو جاتا ہے، بکرو فقر و عورت کا نشان بھی باقی نہیں رہتا ہے

در خاک بلیقال بر سیدم به عاید سے      گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن  
گفتا بود چو خاک تھل کن اسے فقیہ      یا سر جو خزانہ در زیر خاک کن  
علم نافع کا عامل اس فقر الی اللہ کی وجہ سے سارے عالم سے غنی  
ہوتا ہے، وہ "غنی بالشیء" نہیں، وہ "غنی عن الشیء" ہوتا ہے، اس کا برگ و  
ساز قرآن عظیم ہے، اس کا قلب سود و ساز، ذوق و شوق تسلیم و رضا سے  
سردم ہوتا ہے، وہ سرا پا صدق و اخلاص و نیاز ہوتا ہے، اس کے فقر کا  
کچھ حال اقبال کی زبان فی سنو،

حیث فقر اے بندگان آب و گل ؛      یک نگاہ راہ بین یک زندہ دل  
فقر کار خیش را سنجیدن است      برد و حرف لا الہ سیمیدن است  
فقر خیر گیر یا نان شعیر !      بستہ فقرک او سلطان و میر  
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است      با اینیم این متاع مصطفیٰ است  
فقر برگ و بیاں شبنون زند      بر تو امیں جہاں شبنون زند  
برگ و ساز او قرآن عظیم      مرد و یسے نہ لغد در گلیم

غرض وہ علم نیکی ہے جس کی اصل غنیۃ اللہ ہے جو اپنے حامل میں قلب  
خارج النفس قانع پیدا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے دعا و سبوح حاصل

ہوتی ہے، اور جس شخص سے یہ علم نافع فوت ہو جاتا ہے وہ ان آفات میں مبتلا ہو جاتا ہے جن سے سچے اسلام (روحی فدا) نے پناہ مانگی تھی یعنی یہ علم اس پر وبال و محنت ہو جاتا ہے، اپنے علم سے وہ کوئی نفع نہیں پاتا، اس کا دل اپنے رب کے لئے نہ خسر اختیار کرتا ہے، اور نہ اس کا نفس دنیا سے میر ہو تا ہے اور نہ اس کا دُعا سنی جاتی ہے، یہ علم نہیں ہیں ہے اور تمام بدیوں کا مبداء، ہمیں اس عارف کی تلاش ہے جو اپنی شمع سے محفل کو روشن کر دے اور ہمارے قلب سے کانٹوں کو نکال کر اس کو گلشن بنا دے۔

عارف دل و جان تو حسین سازد غارے کہ کند بمباش گلشن سازد  
کابل ہمہ راز نقص بروں آرد  
یک شمع ہزار شمع روشن سازد  
(قادر علی ہندوستانی)



# استعمال اصول موضوعه



## سیرت سازی

شہنیت کے کہ تخت عابجے دارد      تا آنکہ نہ شایانہ مزار بجے دارد  
یعنی کہ خدوس پیش از باب شہر      سلطان نشو اگر چه تاجے دارد  
(ورد)

۱۔ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شے سب سے زیادہ گراں قدر اور عزیز شے پاک سیرت ہے، زندگی تربیت گاہ ہے، حق تعالیٰ مرتبی و معلم ہیں، واقعات و حادثات وہ آکات و ادوات ہیں، جن کے ذریعہ وہ ہماری سیرت کی تکمیل کر رہے ہیں، دنیا کی ”روح ساز“ وادی میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے فغہ نئے بیدار کئے جاتے ہیں، زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہے کہ سیرت کو سنوارا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے، کیوں؟ اس لئے کہ سیرت ہی پر دنیوی کامیابی کا انحصار ہے، سیرت ہی پر فوز آخرت کا مدار ہے، دین و

دنیا کی اصلاح سیرت ہی کی اصلاح سے ہو سکتی ہے اسیرت ہی پر جہانی اور روحانی صحت مبنی ہوتی ہے اور برد قلبی اور طمانیت خاطر پاک سیرت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے آدم کا ”اکرام“ سیرت ہی کی پائی کی وجہ سے ہوتا ہے، جہاں انسان پاک سیرت نہیں وہ صورتہ گوالسان ہے، لیکن حفظہ وہ حیوان ہے، یا دیو ہے یا غول ہے، شیاطین الائنس میں اس کا شمار ہے، وہ دنیا، دین اور آخرت کی حقیقی افتاد سے محروم ہے!

سیرت، علمائے نفسیات کی باریک بین اور دھورس نگاہ میں ان تحقیقات، عادات و میلانات کا مجموعہ ہے جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے، اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، اور اس کی وحدت کردار کا باعث ہے، ہر فرد دوسرے فرد سے متمیز ہوتا ہے صورت اور سیرت میں صورت کی غیریت تو حقیقی واقعی ہوتی ہے، یہ رفع نہیں کی جاسکتی، اور نہ کوئی اس کو رفع کرنا چاہتا ہے، لیکن سیرت میں ایک قسم کی مماثلت ہو سکتی ہے، یہ مماثلت عنست نہیں انفرادیت ناقابل انکاس ہے باوجود مماثلت کے انفرادیت موجود ہوتی ہے، اور اس انفرادیت کا مبداء نا اور اس کے وہ انتہائیات و قابلیات ہیں جو اپنا ظہور عادات و افعال میں کرتے ہیں اور اس تمام مجموعہ کو ہم نفسیات کی اصطلاح میں سیرت سے تعبیر کرتے ہیں، سیرت افعال میں وحدت پیدا کرتی ہے اور سیرت کے قابل علم کے بعد بڑی حد تک فرد کے افعال کی پیش گوئی ممکن ہو جاتی ہے۔

سیرت کی تعمیل میں ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ عادات کی

تعلیم کا نام ہے، عادت کی تشکیل افعال کی تکرار سے ہوتی ہے، افعال کا  
حصہ دربطاً ہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن محرکات کا ماخذ منبع وہ یقیناً  
ادعائات ہوتے ہیں جو انسان زندگی کے تجربات، ماحول کے اثرات  
تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ علم و یقین، عمل و عادات پر  
وہ اہم عناصر ہیں جن میں سیرت کی تحلیل کی جاسکتی ہے۔ سیرت ساری  
کے طریقے کو جاننے کے لئے ہمیں ان کی عناصر کی تحقیق کرنی ہوگی۔

والعلم والیقین العلم نکتۃ، سیرت سازی کے لئے صرف ایک نکتہ کا  
وہدائی اجمالی علم کافی ہے، پھر عقلی طور پر اس کی تفصیل و توضیح میں وفات  
رہنے جاسکتے ہیں۔

دل گفت مرا علم لدنی ہو سرت      تعلیم کون گرت بدین و شرس است  
گفتم کہ الف ا دگر گفتم پنج      در خانہ اگر کس است یک حرف بس است  
شیخ عزیز الدین محمد اراکانشی

وہ وہدائی علم، علم لدنی حق تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے، اسی اقرار  
کی مضبوط چٹان پر سیرت کی مستحکم عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے، اس اقرار کے  
یقینات پر غور کرو، جب میں ایمان و اذغان کی شانہ قوت سے حق تعالیٰ  
کے اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں تو سب سے پہلے میں یہ مان رہا ہوں کہ حق  
نہاے ہی معبود ہیں، وہی عبادت یا پرستش کے قابل ہیں۔ عبادت کیا  
ہے، یہ غایت تذلل کا نام ہے، اظہارِ ذلت کا نام ہے میرا پر اگر جھک سکتا  
ہے۔ تو میں میرے خالق، میرے مولیٰ، میرے مالک ہی کے سامنے جھک سکتا ہے،

اور غیر کے سامنے ہرگز نہیں جھک سکتا! اظہارِ ذلت کی وجہ کیا ہے؟ میں  
 'فقیروں، محتاجوں، میرا معبود غنی ہے، قوت و اقتدار سے متصف ہو۔  
 علم و حکمت سے موصوف ہیں، رب ہے' پالنے والا ہے، مستعان ہے،  
 مذکور نے دالاء، استعانت ہی کی خاطر میں اس کے سامنے اظہارِ ذلت  
 کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ سارا عالم فقیر ہے، اور میرا معبود ہی صرف غنی  
 و حمید ہے، میں اس کا فقیر ہو کر بار سے عالم سے غنی ہوں، میرا یا ماس  
 کہ میں اس شہنشاہ کا دیوزہ گر ہوں، جن کے دیوزہ گرسے شاہ و  
 گدا ہیں، مجھے سارے عالم سے بے نیاز کر دیتا ہے اور میں کفٰی باللہ  
 و کیلا کہہ کر عبارت و استعانت کے نقطہ نظر سے ماسوی اللہ سے کٹ  
 جاتا ہوں، اور فقر و ذلت یا بندگی کی نسبت اللہ ہی سے چٹ لیتا ہوں،  
 اب کائنات کی بڑی سے بڑی قوت بھی میرے لئے نہ امیدوں کا مرکز  
 بن سکتی ہے اور نہ خوف و ہراس کا سبب، ان سب کا فقر، ان سب کی  
 ذلت و عبودیت، بیچارگی و بے بسی میری نظروں میں اتنی آشکار و ہویا  
 ہو جاتی ہے، جتنی کہ خد میری بیکی و عبودیت، ہم سب عبد ہیں، کوئی چیز  
 اصلاً ہماری نہیں، فقر ہماری ذاتی صفت ہے، امانت چند روز کے لئے  
 چند چیزیں ہم کو دی جاتی ہیں، ادائیگی سے ہم ان کو اپنی سمجھتے ہیں، حقیقی  
 ملک کو بھول جاتے ہیں، اپنی کی محبت میں نرفیت ہو جاتے ہیں، حقیقی  
 اقدار سے غافل ہو جاتے ہیں، ناگہاں یہ طلسم ٹوٹ جاتا، اور یہ ساری  
 غروب و سر غروب چیزیں موت ہم سے چھین لیتی ہے، اور پھر اپنے اصلی

فقر و ذلت کے ساتھ ہم نادم و پیشیمان اس جہان سے رخصت ہو جاتے ہیں تاکہ اپنے اعمال کے اثرات کو، اپنے افعال کے نتائج کو، اپنے کردار کے اثمار و عواقب کو جو اس دنیا میں بھی اپنی موجودگی کا مختلف نتائج میں ہمیں احساس بخش رہے تھے، زیادہ نمایاں، زیادہ واضح اور احباب اگر طریقہ سے دیکھیں، اور حسرت و ندامت کی آگ میں جلیں۔

سیرت کی تعمیر اساسی یعنی پرہیزی ہے کہ حق تعالیٰ ہی سبب و مددگار ہیں، جن کے آگے یہ میرا سر جو سارے جہان کے مقابلہ میں معزز و مفتخر بلند و بالا ہے۔ غیر ان شان سے جھک رہا ہے، اور حیات و علم، رزق و فراخی، صحت و عزت، ہدایت و رشد کی استدعا کر رہا ہے، اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ کر رہا ہے کہ جو اس کی آنکھ چاہے جو تماشا دکھلائے، اور وہم چاہے جو مالے اور منوائے، یہ ساری نعمتیں حق تعالیٰ ہی دے سکتے اور دیتے ہیں، ان کے سوا نہ کسی میں حول و قوت ہے، اور نہ فعل و اثر و ماسیکھ من تعبہ فمن الله! صورتوں سے جو ہم نے امیدوں باندھ رکھی ہیں، صورتوں کو جو ہم نے خوف کی چیزیں سمجھ رکھی ہیں، صورتوں کے سامنے جو ہم ذلت کا اظہار کر رہے ہیں، اور صورتوں کے سامنے ماتمہ پھیلا رہے ہیں اور ان کو رب بنا رکھا ہے، یہ کس قدر عظیم الشان وعدہ کا ہے، اس کے ضرر و اضلال کا پہلو کس قدر قوی ہے، عزت نفس کی فوزی کی کو دیکھو، اپنی ذلت و رسوائی کو دیکھو، اس کذب و افترا کے نتائج پر عزم کر دو، فقیروں کے مدد پر سوال کرنے سے بھی کچھ ملا ہے، اس غریب کے ٹال کیا رکھا ہے

جو دوسروں کو دے، امیدوں کا خون ہونا لازمی ہے، حسرت و حیران  
 فکری، جو بچارہ اپنے درد دکھ کو دفع نہ کر سکتا ہو، وہ تمہارے درد و غم کا  
 کیا علاج کر سکتا ہے، وہ تمہارا سولی، وہ رب کیسے ہو سکتا ہے، انائے  
 تم نے حقیقت کو چھوڑ کر سایہ کا نقاب شروع کر دیا ہے، بیدار کو چھوڑ کر  
 مدہوش سے التجا کر رہے ہو، زندے کو چھوڑ کر مردے سے پیٹے ہوئے  
 ہو، تمہارے دہم نے تمہیں کس التباس میں مبتلا کر رکھا ہے!

بقول دشمنِ ایمان دوستِ بشکستی

ہیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

معبودِ مستعان صرف حق تعالیٰ ہی ہیں، ذل و افتقار کی نسبت  
 ان ہی سے ہمیں جوڑنا چاہیے، وہی ہماری امیدوں کے مرکز ہیں، ان  
 ہی کی ناراضی سے ہمیں خوف کرنا چاہیے، ان چوب و سنگ یا گوشت پرست  
 کے جھوٹے خداؤں سے بندگی کی نسبت قطعاً توڑ لینی چاہیے، ان سے نفع و  
 ضرر کی توقع قطعاً چھوڑ دینی چاہیے۔

نا چند کہ از چوب گداز سنگ تراستی

بگذر از خدائے کہ بعد رنگ تراستی

حق تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت پر یہ یقین، یہ ایمان سیرت کا سنگِ بنیاد  
 ہے، اسی یقین کی پرورش ہونی چاہیے اللہ باطلہ کی نفی، اللہ حق کا اثبات  
 قلب کی گہرائیوں میں، محکم ہو جائے، تحت الشور نفس میں جاگزیں ہو،  
 رگوں میں خون کی طرح دوڑ جائے، علم الیقین کے مرتبہ سے گزر کر حق الیقین

کے درجہ تک پہنچ جائے، مستحق ہو جائے تو پھر ایسی تحقیقات کی تخلیق ہوتی ہے جس کا مقابلہ کائنات کی کوئی قوت نہیں کر سکتی وہ بغضائے مخلوق و باخلاق اللہ خلق الہی سے مرتب ہوتا ہے، تمام صفاتِ رفیہ سے پاک اور تمام اوصافِ حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے، کامل بعد ہوتا ہو جس سے بہتر جس سے زیادہ مقدس دنیا میں کوئی شے نہیں ہوتی!

توحیدِ معبودیت کی رو سے حق تعالیٰ ہی مالک و حاکم قرار پاتے ہیں، اور مستحقِ عبادت ٹھہرتے ہیں، ہمارا سر حقیقی مالک و حاکم ہی کے سامنے جھکتا ہے جس کے آگے ساری کائنات سرنگوں ہے، طوعاً و کرہاً اور توحیدِ ربوبیت کی رو سے حقیقی فاعل حق تعالیٰ ہی قرار پاتے ہیں، وہی خالق ہیں وہی نافع و مفار ہیں، وہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں، ہمارا امانتدان ہی کے آگے دراز ہوتا ہے اور انہی سے ہم مدد و اعانت کے لیے درخواست کرتے ہیں! غنی کی فقری ہمیں ساری کائنات سے بے نیاز اور غنی کر دیتی ہو دیکھو توحیدِ معبودیت اور ربوبیت کا سبق دے کر عرب کے امتیٰی مسلم (رفدہ الہی و امتیٰی) نے اپنے متبعین کو صفاتِ رفیہ سے کس طرح پاک اور صفاتِ حمیدہ سے کس طرح مرتب کر دیا تھا! صفاتِ رفیہ جس سے تمام علمائے اخلاقِ قلب کا تذکیہ چاہتے ہیں اس رباعی میں یوں ادا کئے گئے ہیں :-

خواہی کہ دلت شود صاف چو آئینہ	وہ چیز برون کن از درون بسینہ
حرص و حسد و بغل و حرام و عنیدیت	کذب و غضب و کبر و ریاء و کینہ

دیکھو ان صفاتِ قبیہ سے قاب کا تزکیہ سقراط کے "فطریات" افلاطون کے "مکالمات" ارسطو کی "اخلاقیات" اور جدید فلسفیوں کے عالمانہ خطبات کے بغیر پڑھے اور سمجھے صرف کَلَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مفسر عبد کوٹاہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کس آسانی سے ہو جاتا ہے۔

جب تک انسان دولت کو اپنی ملک سمجھتا ہے، غد ہی کو اس کا مالک جانتا ہے نہ حص کا اس کے قلب سے تسلط اٹھ سکتا ہے اور نہ بخل و حسد کا جوں ہی اُس نے سچے دل سے توحید فی الائمہ کا اقرار کیا اور یہ مان لیا کہ لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما اللہ ہی کے لئے ہے۔ اگر آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے تو اس نے اپنی مالکیت و حاکمیت کی نفی کی اور حق تعالیٰ کی مالکیت و حاکمیت کا اثبات کیا، حقیقی مالک و حاکم و متصرف حق تعالیٰ کو جانا، اور اپنی ذات کو محض "امین" سمجھا اب اس کی سمجھ میں یہ بھی آ گیا کہ حقیقی مالک ہی کو تعریف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ امین امانت کے شرائط کے تحت ہی تعریف کا اختیار رکھتا ہے، اب اگر دولت پر جو اس وقت اس کی امانت میں ہے، کوئی آفت آجاتی ہے تو وہ بحیثیت امین اس کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے اگرچہ نہ اس کے تو جانتا ہے کہ مالک حقیقی امانت کا استرار چاہتا ہے، اور بخوشی وہ اپنی امانت حوالہ کر دیتا ہے، اس طرح نہ اس کے جانے کا اس کو رنج ہوتا ہے اور نہ اس کے آنے کی خوشی، اور اس کا قلب ان اضلال پیدا کرنے والے

تاثرات سے پاک اور آزاد رہتا ہے، اور وہ ع



ایک دل واری بس است یک دوست ترا

کہہ کر حق تعالیٰ ہی کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے اور ایک دم رنج و غم، پریشانی و پشیمانی کے تمام احساسات و جذبات سے حقیقی معنی میں نجات حاصل کر لیتا ہے، ایسے ہی خوش قسمت کی ذمہ داری کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱) لیکلا تا سوا علی ما فانکم      تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو ماحقہ

ولا نقدر جوابہا اناکم      نہ آیا اور سبھی نہ کرو اس پر جو

(پ ۲۷ ع ۱۹) تم کو اس نے دیا

ان اصول کو سمجھ لینے کے بعد غور کرو کہ وہ شخص حریص کیسے ہو سکتا ہے جو مال و دولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور ان احمقوں کو اپنی ذات کو مالک سمجھ رہے ہیں مخاطب کر کے کہتا ہے۔

گناہ میرے نزدیک وسیع داءہ اند ترا      دہلیت است کہ داری ہر روز سے چند  
چہ سوداگر بندھی غزہ برستاع کے      چہ موش بر سر دکان روستا غرسند  
حرص کے ساتھ بخل و حسد کی بھی جڑیں کٹ جاتی ہیں، حب مال و دولت و ولایت و امانت ہیں، اور وہ بھی چند روزہ امانت اسوت کے قریب یہ ہم سے  
والہیں سے ملی ہیں، اور دوسروں کے حوالہ کی حاتی ہیں تو پھر اس علم کے  
بعد ہماری ذمہ داریت اس چہ بیا کی طرح کیسے رہ سکتی ہے جو بیٹے کی دکان  
کی ساری چوڑی کو اپنی سمجھتی ہے اور اپنے ہی کو مالک دستخرف جان کر بخل  
و حرص کا شکار بنتی ہے، غیر کے مال میں بخل بے معنی ہے۔ بخل ہوتا ہے  
اپنے مال میں، مال اپنا نہیں، پھر بخل کیسا؟ حرص کی بنیاد ہی اس خیال پر

قائم ہے کہ مالک ہم میں، حقدار ہم میں، ہم کو نہیں مل رہا ہے، دوسروں کو مل رہا ہے، ہم کو کیوں نہ ملے! جب مال میرا ہے نہ تیرا بلکہ مالک حقیقی کا تو حسد کس پر؟ حسد و حرص اور ان کے لازمی نتائج، ہتم و غم، درد و حزن، رنج و الم، نتیجہ میں خیانت فی الامانت کا، یعنی شرک کا، جو ہی شرک کی چڑیں قلب سے لالہ اللہ کے ذریعہ اکھاڑ کر پھینک دی گئیں اور اس کی بجائے توحید جلہ افروز ہو گئیں انسان ان تباہ کن جذبات کے چنگل سے نجات پاتا ہے، حقیقی آزادی کا لطف اٹھاتا ہے، اسکوں و برد قلبی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

کبر و غر و عجب کی اس قلب میں گنجائش ہی کہاں جو اپنے کو حساکم نہیں محکوم، مالک نہیں، مملوک، رب نہیں، مرہوب، سولی نہیں عبد سمجھتا ہوں، اپنی محکومیت و مملوکیت کا یقین جو وجود کے دل کی گہرائیوں میں جا گزین ہے، غر و غرور کے جذبات کو پیدا ہونے نہیں دیتا۔ اس کی عنفویت اس زہر کو قبول کرنے کی صلاحیت یا استعداد ہی نہیں رکھتی۔

اب توحید فی الربوبیت کے قیام کے آثار پر غور کرو جب تم نے فاعل حقیقی حق تبارے کو مان لیا، لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے قابل ہو گئے، نافع و ضار فی الحقیقت انہی کو سمجھنے لگے تو خوف و حزن سے تم نے رستگاری حاصل کر لی، غیر کو نافع و ضار قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم کو اس سے لطف پہنچنے کی امید ہوتی ہے۔ اور اس امید کی شکست، حزن و غم کو ضروری طور پر پیدا کرتی ہے۔ اس سے ضرر کا اندیشہ تمہارے سینہ کو

خوف سے بھر دیتا ہے، جو نہی تم نے دہم کے اس رب کو تڑا اور حق تعالیٰ کی اس تجنیہ کو یاد کیا کہ،

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ  
فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ (پ ۱۱ ع ۱۲)  
اللہ سے سوا کسی کو سٹ پرکاؤ ایسے  
کو نہ سبلا کرے تیرا اور نہ بُرا،  
بھر اگر تو ایسا کرے تو تو ہو جائے  
ظالموں میں۔

غیر اللہ کی ربوبیت تمہارے قلب سے فنا ہو گئی، نفع کی امید، ضرر کا خوف تمہارے سینہ سے جاتا رہا اور غزن و خوف سے تم نے ہمیشہ کے لئے نجات پائی۔

إِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ  
ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلاَ خَوْفَ  
عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (پ ۲۴ ع ۲۶)  
مغز جنہوں نے کہا کہ رب ہمارا  
اللہ ہے! پھر ثابت قدم رہے  
تو نہ ڈر رہے ان پر اور نہ وہ غمیں  
ہوں گے۔

ربوبیت پر جہاں تم نے استقامت پیدا کر لی کہ دنیا اور زندگی کے متعلق تمہارا سارا نقطہ نظر بدل گیا، نقطہ نظر کا بدلنا تھا کہ زمین و آسمان بدل گئے،

چوں برغیر و خیال از چشمِ احوال  
زمین و آسمان گرد و بادل  
ایک دہم تھا خیال تھا، جس نے تمہیں خوف و حزن کی زنجیروں میں

چکڑ رکھا تھا، اب تم نے اس خیال کی تصحیح کی، دوسری صحت تمہیں حاصل ہوئی،  
 نور کی طرف تم نے اپنا منہ کر لیا، اور تمہاری روح اپنے خالق و حاکم کو مخاطب  
 کر کے پہنچا اٹھی،

اللہم اسلمت نفسی الیک	اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی
وصحبت دجھمی الیک	اپنا منہ تیری طرف کیا، اپنے کام پر
وفوضت امری الیک	والد کئے، اپنی پیٹھ تیرے سامنے
والجأت ظہری الیک رغبۃ	جھکاؤ، تیرے فضل کی امیدیں اور
ورغبۃ الیک لاملجاء ولا	تیری ناراضی سے ڈر کر، میری پناہ اور
ضجاء منك الیک	نجات کا مرکز تو ہی ہے۔

اس اقرار بربوبیت کے ساتھ ہی تم نے اپنے قلب میں طمانیت و راحت محسوس  
 کی، اعتماد و یقین نے خفہ قوتوں کو جگایا، سارا عالم تمہیں نفع و ضرر سے خالی  
 تمہارے ساتھ تعاون عمل کے لئے تیار، تمہارا رفیق و خادم نظر آنے لگا، زندگی  
 کے راستے میں تمہارے قدم بے باک انداز میں اٹھنے لگے، تمہارا سینہ کینہ سے پاک  
 ہو گیا، کیونکہ تمہارا یہ وہم و درد ہو گیا کہ سوائے حق تعالیٰ کے ضرر اور نقصان  
 پہنچانے والا اور حقیقت دہر سزا کوئی ہو سکتا ہے، خواہ اس کی آنکھ جس کو دشمن  
 بے رحم دیکھ رہی تھی، ایمان کی آنکھ کو حق تعالیٰ کا فرستادہ بتلا رہی ہے اور

۱۔ یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جو صحاح شریف میں موجود ہیں۔ رواہ المجاہد عن البراء بن عازب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت آخری چیز یہ پڑھتے تھے۔

سدری دم کے پر اثر الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ

چوں دشمن سے رحم فرستادہ دوست

بدعہد اگر نہ دارم ایسا دشمن دوست

اسی وقت غیظ و غضب سے بھی تمہارا نفس پاک ہو گیا، دوست پر غضب  
کیسا؟ اس یقین کے بعد کہ ہر آفت، ہر مصیبت سیرت کے کسی نقص کو رفع کرنے  
آتی ہے، ستم حقیقی کی طرف سے ایک تہنیہ ہے جو ہمیں اپنے نقائص و ذنائب  
کی طرف متوجہ کرتی ہے، ان کی اصلاح کا موقع دیتی ہے، ہم کو غفلت سے  
نکالتی اور نور کی طرف ہمارا رخ پھر دیتی ہے، ہمارا رشتہ حق تعالیٰ سے جوڑتی اور نفس  
و شیطان سے توڑتی ہے، ٹال پھر اس یقین و اطمینان کے بعد ہمارا سینہ غیظ و  
غضب کا محل کیسے بن سکتا ہے۔

ریا جو خلق کے لئے اپنے اعمال کی تزیین ہے، اسی وقت ممکن ہے جب  
خلق کو نافع و ضار سمجھا جائے، خلق سے توقعات وابستہ ہوں، یا ضرر کا اندیشہ ہو  
اس وہم کے دور ہو جانے کے ساتھ ہی ریاکاری اور تعصب و عنائش کی جڑیں  
کٹ جاتی ہیں، عمل صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے جلدی ہو جاتا ہے، اجور و قصور  
کے لئے نہیں رہتا، کیونکہ یہ بھی مخلوق میں اور مخلوق سے نہ راحت ہے اور نہ  
منور و عزت اور نہ یہ مقصود بالذات۔

کذب یا دروغ بانی کا محرک یا ترغیب کا حصول ہوتا ہے، یا ضرر کے دفع کا  
خیال، یا پھر خود بینی و خود ستائی، کبر و فخر، محب و دریا، ہم نے اوپر لکھا کہ  
مذہبیت حتیٰ ان صفات ذمہ کا استیصال کس خوبی سے کر سکتی ہے، اسی لئے

سو خدا کا قلب صداقت کا خزینہ ہوتا ہے، وہ وعدوں کا لپکا، قول کا سچا ہوتا ہے۔  
ہے والموفون بعهدا اذا عاہدوا، کامصدق۔

اسی طرح غیبت شرک فی الربوبیت کا نتیجہ ہے غیبت کی وجہ یا تو عداوت ہوتی ہے جس کا محرک نقصان و ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، یا حسد یا محض کذب سے حاصل ہونے والی شیطانی لذت، ربوبیت کا صحیح علم اور اس پر یقین، ان تمام ذمائم کی بے خطا دوا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا، غیر اللہ کو حقیقی نافع و ضار قرار دے کر عداوت و بغض و حسد میں مبتلا ہوں، اور غیبت نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے، خود آفریدہ التباس کو محبت علمی نے دفع کر دیا اور ان ذمائم کی گرفت سے قلب کو نجات ملی۔

غرض تزکیۃ نفس و تصفیۃ قلب یعنی سیرت سازی کے لئے سب سے پہلے شرک فی المہودیت اور شرک فی الربوبیت کی بیخ کنی ضروری ہے، لاکھ شمشیر و ناگہایت حاکمیت اور ربوبیت ذوات خلق سے کاٹ دی جاتی ہے اور اس سے اس کا اثبات ذات حق میں کیا جاتا ہے اور اس طرح اخلاق الہیہ سے آراستہ ہونے کی قابلیت اور استعداد پیدا کی جاتی ہے اب مجاہدہ اور عمل اس مقصود کے حصول کے لئے ضروری ہیں، اس کی توضیح میں چند مقامات کا پیش نظر رہنا لازمی ہے۔

ابتدا میں ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علم ہی سے عمل پیدا ہوتا ہے لیکن

لے پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں۔

علم سے مراد محض نظری علم نہیں لینا چاہیئے۔ جوکانوں کی راہ سے داخل ہوتا ہے، لیکن قلب میں جاگزیں نہیں ہوتا، اس لئے عمل کی صورت میں نمایاں ہونگی۔ قوت نہیں رکھتا اور اس لئے منفوت بخش نہیں ہوتا، علم سے ہماری مراد وہ یقین و اذعان ہے، جو قلب کی گہرائیوں میں اپنا مسکن بناتا ہے، خون کی طرح تمام رگوں میں دوڑتا ہے، دماغ پر کامل تسلط رکھتا ہے، اور لازماً عمل کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، ایسا یقین تفکر و تدبیر یا مراقبہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی لئے تفکر کو عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے، تفکر و مراقبہ سے علم راسخ ہوتا ہے، مضبوط ہوتا ہے، تدبیر جاتی ہے، تمکین رونما ہوتی ہے اور راسخ عقیدہ ہی عملاً اپنا خارج میں ظہور کرتا ہے جب عمل کی تکرار ہوتی ہے، تو عبادت پیدا ہو جاتی ہے، جو فطرت ثانیہ کہلاتی ہے، اب عمل کے لئے فکر و غور کی ضرورت باقی نہیں رہتی، غیر شعوری نفس عمل کی راگ اپنے ماتوں میں لے لیتا ہے مصالحت منع ہو جاتی ہے، سہولت پیدا ہو جاتی ہے، سیرت قائم ہو جاتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے چند روز جہد کن باقی بخند

لے ایسے علم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اعوذ بک من عمل لا ینفع و من قلب لا یجشتم۔

۱۱ تفکر سائنہ، اخیر من عبادۃ سبعین سنۃ الدینی وردی ابوشیخ من حدیث ابو ہریرہ

۱۲ قل انی اعظمک بواحدۃ ان تقوموا للہ متخی و فرادی ثم تفکروا پ ۲۲  
۱۳ ۶ سے تفکر کا حکم صاف طور پر سمجھ میں آتا ہے۔

اب ہمیں سیرت سازی کے دوسرے اہم عنصر مجاہدہ یا عمل و عادت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے،

(۱۲) مجاہدہ، پاک سیرت جس طرح بغیر جمع علم اور عقیدہ کے ممکن نہیں اسی طرح بغیر عمل صالح اور مجاہدہ کے اس کی تمام خوبیوں کا نمایاں ہونا بھی ممکن نہیں، اسی لئے فرمایا گیا: - جاهدوا فی اللہ حق جہادہ اور جمع عقیدہ و مجاہدہ ہی کی چشم بصیرت افراد کے سامنے نیکیوں کی تمام راہیں کھل دی جاتی ہیں والذین جاهدوا انما لہم دینہم سلبا۔ اب ہمیں مجاہدہ کی راہدیت اور اس کے طریقوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

ذرا اپنے ذہن کے تہانخانہ کو تو دیکھو کہ کیا یہ ایک لحظہ خیالات، تقریرات، خواطر اور وسوسوں سے خالی بھی رہتا ہے، علم کا ایک دریا ہے، اللہ چلا آرہا ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک لامتناہی سبداو سے لکھ رہا ہے، اس کی مہریت و نوعیت پر غور کرو تو ظاہر ہوتا ہے کہ اخلاقی نقطہ نظر سے یہ یا تو ہستی علم ہے یا اضلالی، اس کی آمد کسی طریقہ سے روکی نہیں جاسکتی، کوئی قوت اس کو روک سکتی ہے، کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا ہونے دینا بشری طاقت سے باہر ہے، خیالات آزادی کے ساتھ ایک نامعلوم منبع سے نمود کرتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہ ان کے پیدا کرنے پر

---

۱۔ مجاہدہ کرد اللہ کے واسطے جیسا کہ چاہیئے اس کے واسطے مجاہدہ کرنا (پاج ۱۷)

۲۔ جنہوں نے ہمارے واسطے مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنی راہیں سمجھائیں گے (پاج ۱۳۲)



قادر ہے اور نہ اُن کے فنا کرنے پر! لیکن انسان کو اتنی طاقت دی گئی ہے کہ  
 اپنی توجہ اضلالی علم کے طرف سے ہٹا کر ہدایتی علم کی طرف مبطل کر دے،  
 یا نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ سلبی خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے  
 یہی مجاہدہ کی ماہیت ہے، ذہن میں سلبی یا اضلالی خیال غیر اختیار سی و  
 اضطراری طور پر پیدا ہو رہا ہے اب یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں اس  
 خیال کو گلے سے لگاؤں، پیار کروں، قلب کے میدان میں تحت پھانسیوں  
 اور اس کو موز پھان کی طرح عزت و قار سے بٹھا دوں، یا یہ کہ اس کے  
 ذہن کے دروازے سے سر نکالتے ہی اس کے مقابل ہدایتی یا ایجابی  
 خیال کو اس کی سرکوبی کے لئے آؤں اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت  
 سے لڑا دوں، ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابلے میں نور ہی کامیاب ہوگا  
 کیونکہ ظلمت نور کے غیاب کا تو نام ہے، نور ہی کے عدم سے ظلمت پیدا  
 ہوتی ہے، جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے چھا سکتی ہے! مجاہدہ حق تعالیٰ  
 ہی کی محمول و قوت سے اضلالی علم کے بجائے ہدایتی علم پر عمل کرنا کا نام  
 ہے، اضلالی خیالات کے ذہن میں خطور کرتے ہی مجاہدہ کی روح خیر کے مبدئ  
 کی طرف استقامت کے لئے متوجہ ہو جاتی ہے، استفادہ کرتی ہے، پناہ  
 مانگتی ہے، اپنی محدود قوت پر بھروسہ نہیں کرتی، اپنی بچاؤ کی سہ وقت  
 ہوتی ہے، لہذا یہی قوت کے آستان پر تیزی کے ساتھ پہنچ جاتی ہے  
 اور چرخ اقبیٰ ہے۔

سبحان ذی الملك و الملکوت سبحان ذی العزّة و العظمة و الجبروت

سبحان الحق الذي لا يموت اعوذ بفقرك من عقابك واعوذ بضعفك  
من سخطك واعوذ بملك جيل وجهلك

اور یہ مشابہ ہی عزت و جبروت 'یہ لا محدود ملک و ملکوت والا آقا ہم سے دور  
نہیں، وہ جو بالذات ہے جہاں میں موجود ہر جگہ "ہمارے پاس ہی تو ہے  
رنگ جان سے زیادہ قریب ہے، بجا ازما نزدیک تر، وہ الٰہیات کی اس  
پیکار پر شان و رحمت کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کی تجلی کے ساتھ  
ہی قلب کے ضرور و اضلال سے اور ہی حفاظت ہو جاتی ہے! یا نفسیاتی  
اصطلاح میں یوں کہو کہ سلبی خیال کی جگہ ایجابی خیال سے لیتا ہے، اور شر کا  
صبر ہی نہیں ہونے پاتا،

نفسیات کے اس مسئلہ قانون کو یاد کرو، جس پر اس مقالہ کی بنیاد قائم ہے  
ہے کہ افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے، اعمال ہی کی تکرار سے عادت  
کا قیام ممکن ہے، اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے  
مجاہدہ سلبی یا بد یا اضلالی خیالات کا گویا دوازدہ ہی پر مقابلہ ہے، جو پہنی ان  
خیالات نے کتم عدم سے سر نکالا، ان کے مقابل کے ایجابی یا نیک یا  
ہدایتی خیالات نے ان سے ٹکری، اپنی محدود کمزیر قوت سے ان کا مقابلہ  
نہیں کیا، بلکہ نا مشابہ ہی قوت و جبروت کے سبب اس سے اخذ فیض کیا اور اس طرح  
بے پناہ طاقت کے ساتھ ان پر ضرب لگا دی اور ان کا قلع قمع کر دیا، جب

۱۰ یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جن کو حاکم نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

عمل ہی کا صدور اس طرح روک دیا گیا اور ایسا ہی میں روک دیا گیا تو بیمار کی  
 اہمیت ہی کہاں، عادت کا قیام کس طرح ممکن اور سیرت بد کی تشکیل کا  
 کیا ذکر، یاد رکھو کہ فاسد خیالات کو قوت اس وقت ملتی ہے، جب وہ تحصیل  
 کے دروازے سے خانہ قلب میں داخل ہو جاتے ہیں، اور یہ داخل اسی وقت  
 ہو سکتے ہیں، جب دربان قلب غفلت کی نیند سو رہا ہو، چرکس نہ ہو، ہوشیار  
 اور خبردار نہ ہو، یا پھر اپنی حیل و قوت سے ان کا مقابلہ کرنا چاہے، اس  
 صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زور مردانگن ہے، ان سے مقابلہ  
 بچل کا کھیل نہیں، یہ بڑے سے بڑے پہلوان کو آسانی سے پھینک سکتے  
 ہیں، ان کے دواؤں پہنچ سے بہادر سے بہادر بھی پناہ مانگتے ہیں، ان سے  
 مقابلہ کی ایک ہی صورت ہے، ان کے دود کے وقت ہی انہیں پھینکا  
 جائے، سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے اور حق تعالیٰ کی حیل و قوت سے ان کا  
 سامنا کیا جائے اللہم اعذنی من شر نفسی کی فریاد فوراً بلند ہو،  
 اعمود بل مہلک کی چیخ فزع نہ لگے، پھر شکست ناممکن ہے، کامیابی قطعی  
 ہے حق تعالیٰ کی پناہ میں آکر مغلوبیت کیا معنی رکھتی ہے، ناکامی کیا چیز ہے،  
 ان کی مصیبت کے ساتھ ہی بلندی نصیب ہوتی ہے، انتہر الاعلون و اللہ  
 معکم کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔

۱۔ اے اللہ میرے نفس کے شر سے مجھ کو پناہ دے

۲۔ تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (پ ۳۶ ع ۸)

یہی نفسیاتی الہیاتی طریقہ بدعات کی شکست میں بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے، بدعات سے مراد کوئی عادت ہے، جو ہمارے اختیار و تصرف میں نہیں، بدعات کی علامی تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہے بدعات کا غلام دنیا میں نہ کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ بد قلبی اس کو نصیب ہو سکتی ہے چونکہ افعال ہی کی تکرار سے عادت بنتی ہے اور افعال کا محرک ہمیشہ خیال یا تصور ہوتا ہے، لہذا بدعات کی شکست خیال کی تبدیلی پر منحصر ہے، عادت کے قائم ہو جانے پر فعل کے ارتکاب کی ایک طبعی خواہش ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اس خواہش کی تکمیل کا خیال پیدا ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ خواہش پر ہمارا قابو نہ ہو، لیکن خیال ہمارے تصرف میں آ سکتا ہے، اگر خیال کا صحیح طریقہ سے مقابلہ کر لیا جائے، تو خواہش بھی مغلوب ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر شرابی کی حالت پر غور کرو، اس کو شراب کی خواہش ہوتی ہے، اور یہ خواہش یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ چل کر پینا چاہیئے، خیال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے پر خواہش کے اشتداد میں کمی ہوتی جاتی ہے، ایک مرتبہ کا مقابلہ دوسرے دفعہ کے مقابلہ کو آسان تر بناتا ہے، اور مجموعی نتیجہ حیرت خیز ہوتا ہے، یہی معنی ہیں اس قول کے کہ ”خدا ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی بد آپ کرتے ہیں۔“

بہر طور یہی عادتوں کے آہستہ نتیجہ سے رٹائی اسی دقت ممکن ہے کہ خیال کے پیدا ہوتے ہی اس کا مقابلہ کیا جائے اور اسی طریقہ سے مقابلہ کیا جائے جس کا اد پر ذکر ہوا، اگر اس کے باوجود ہمیں ناکامی کی صورت

دیکھنی ٹپسے، تو ہمیں یلوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیے مجاہد کے نزدیک۔  
 یاس کفر ہے، گناہ کے اشکاب کے بعد یا عادت بد کا پھر ایک مرتبہ رابہ پڑ  
 غمِ راسخ کے کہ الیانا ہو گا) شکار پٹنے کے بعد جو ندامت اس کے دل  
 میں پیدا ہوتی ہے، جو حزن و لال کہ وہ محسوس کرتا ہے، وہ اس کے ارادوں  
 کو مضبوط کرنے میں غیر محسوس طریقہ پر مفید ہوتے ہیں، اور وہ وقت بہت  
 جلد آ پہنچتا ہے، جب وہ محض اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر ناکامی نشان سے اپنی  
 خود ساختہ ٹیڑگیوں کو توڑ کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتا ہے، عارفِ ربیؐ نے  
 مجاہدہ کے اس اعتبار کو اپنے خاص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہو

اندھیں رہ می تراش و می خواش	تا دم آخر دے فارغ مباحث
تا دم آخر دے آخر بود	کہ عنایت یا تو صاحب سر بود
دوست دارد و دوست ایر آشفلی	کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
کار کے کن تو دکا اہل مباحث	انک اندک خاک چہ راجی تراش
چون پا ہے می کسی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
چوں نشینی بر سر کوٹے کے	عاقبت بینی تو ہم روٹے کے

بہر حال مجاہد بہت سے کام لیتا ہے، حق تعالیٰ نے اس کو جو اختیار سے رکھا  
 ہے اس کو استعمال کرتا ہے اور غمِ راسخ رکھتا ہے کہ جب تک گوہر معقودہ ہاتھ نہ آ  
 قلب کا تزکیہ و روح کا جلیقہ نہ ہو جائے وہ دم نہ لے گا اور حق مجاہدہ ادا کرے  
 گا، و لولہ انگیز طریقہ سے ہر قدم پر وہ لگتا تا جاتا ہے۔

دست از طلب ندامت، کار من بر آید مابین رسد مجاہدان یا حیاں نہ تن بر آید

کامیابی و فتحمندی اس مجاہد کے لئے چرستی ہے کان حقاً علینا نصر المؤمنین  
کا وعدہ اس سے متعلق ہوتا ہے! ہدایت کے راستے کھل جاتے ہیں لہذا ہم  
سبیلنا کا قول پورا ہوتا ہے

۱۰ مجاہدہ بیوی بچوں کا چھوڑنا، راتوں میں کم سونا، غارتہ پر فائدہ کرنا۔ حقوق نفس  
کو تلف کرنے کا نام نہیں، مجاہدہ ”حقوق نفس“ کا ادا اور غیر شرعی ”خطوط نفس“  
کا ترک کرنا ہے، مجاہدہ قلب کا تصفیہ ہے روح کا تخلیہ ہے، اس کا بہترین طریقہ  
خیالاتِ فاسدہ کا دماغ سے تخلیہ ہے، جو شخص اپنے قلب و دماغ میں فاسد خیالات  
کے بجائے پاک خیالات کو سببی افکار کے بجائے ایجابی افکار کو جگہ دیتا ہے  
وہ اعمالِ پسینہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اس کے لئے امتثالِ اسرار، اجتناب  
مفطور اور رضا۔ مقدر آسان ہو جاتے ہیں، جو عارف اعظم شیخ عبدالقادر  
جیلانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں دین کا خلاصہ ہیں!

۱۱ ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال  
ہے جو ہر جہت میں تمام محامد و محاسن کا، تمام خوبیوں اور نیکیوں کا جو سیما و  
میں طائیت و سرور کا علو و بلندی کا، قدرت و عزم کا، اگر تم اپنے قلب کو تمام  
سببی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اس میں جمائے گی کہ شمش  
کردگے تو چند روز میں پاؤ گے کہ یہ تمام صفات عقیقہ پیمانے میں تم میں خود  
ظاہر ہو رہی ہیں، انقیسات کا یہ عام قانون ہے کہ آدمی جس چیز کے خیال اور

دھن میں رہتا ہے، رفتہ رفتہ اسی کی خواہش میں پیدا ہونے لگتی ہے یا نفسیاتی زبان میں یوں کہو کہ اس کا جو موضوع فکر ہوتا ہے وہی وہ بھی بن جاتا ہے! اس قانون کو جان کر اور مان کر تم ہرگز سبھی خیالات پر فکر و توجہ کو زیادہ سرکوز نہ کرو گے، ایمانی خیالات ہی کو جانے اور بانے کی کوشش کرو گے، اب ہم عارفِ رومؒ کے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لفظ کیلئے حقیقی معنی میں خوش ہو سکتے ہو

کیست زو بہتر بگو اسے پیچ کس  
تا بدان دلشاد باشتی یک نفس؟

اگر تمہیں جہنمِ بصیرت ملی ہے اور تم عارفِ رومؒ کے ساتھ اتفاق کرتے ہو تو پھر کیا حق تعالیٰ کی دھن سے بہتر اور کسی کی دھن ہو سکتی ہے؟ اب دن کا زیادہ حصہ اسی دھن میں گزارو، گفتار کو چھوڑ کر اسی کارِ بزرگ میں لگ جاؤ، رفتہ رفتہ جاتی سامی نے جو کہا تھا، اس کا تم کو تحقق ہونے لگے گا۔

گرد و جل تو گلِ گرز و گلِ باشتی      در بلبلِ بے قرار بلبلِ باشتی  
تو جزوی و حق کل است اگر در چہند      اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشتی

جو چیز تم کو خود تجربہ سے معلوم ہو جائے گی اس کا ذکر کیا کریں، لیکن تجربے کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ تم پر سرور اور فرح کے دروازے کھل جائیں گے، اطمینانِ قلب جو دنیا کی کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا، وہ نقدِ دم ہوگا، اور اس آیتِ کریمہ کا اپنی ذات کو مصداق پاؤ گے۔

یا ایہا النفس المطمئنہ      اے وہ جی جس نے چین پر دیا۔

ارجعی الی ربک راضیہ  
مَرْضِیَہ فَاَدْخَلْنِیْ عِبَادِیْ  
وَاَدْخَلْنِیْ جَنَّتِیْ  
بہر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے  
راضی وہ تجھ سے راضی! میری مثال  
میرے بندوں میں اور داخل ہو

(پ ۱۲ ع ۱۱۷) میری بہشت میں -

نفسِ معتمدہ کا حصولِ رضا کے الہی کا تحقق، جنتِ ذات میں دخول، یہ  
نتائج ہیں اس مجاہدہ کی تکمیل کے! جرات کہ حق تعالیٰ کی یاد میں ہے، جو  
مستی اس کی یافت و شہود سے حاصل ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں لذت  
جہاں پہنچ ہیں، جامی، اس ذوق و مستی کو اس دالہانہ انداز سے ادا فرماتے ہیں  
کاسے بلبلی جان مست بیا تو سرا دے پایہ غم پست بیا تو سرا  
لذت جہاں را ہمہ در پا گند ذوقیکہ دید دست بیا تو سرا  
حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری ہے  
فَاذْكُرْ بِاللّٰهِ ذِكْرًا كَثِيْرًا، پر عمل ہوا، اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو، اس سے مقصود  
'ضاد قرب الہی ہو، جب تمہاری توجہ ذکر کی وجہ سے خرافات، دنیوی سے بہتر  
ایک نکتہ پر مرکوز ہوگی، تو خود بخود فاسد سلی پریشان کن خیالات اور وساوس کا  
مدوازہ بند ہو جائیگا اور جو نہی خیالات کی یہ پراگندگی موقوف ہوئی، ایک  
روحانی کیف و طمانیت سے تمہارا قلب مملو ہو جائے گا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَیْنُ  
الْقُلُوْبُ کے یہی معنی ہیں، ذکر کا قیام شش اور مجاہدہ سے آہستہ آہستہ  
ہوتا جاتا ہے، اور ذہول و غفلت کا ارتفاع ہو جاتا ہے اس دولت کے  
حاصل ہونے کے بعد تمام چیزوں سے غنی ہو جاتے ہو، نہ کسی چیز کے



حصول سے ہمیں لذت ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے پریشانی کیلا  
 تاسوا علی ما فلتکم ولا تقرحوا بما آتاکم کے مصداق ہونے لگتے ہیں اللہ کو  
 رکھ کر ہمیں کسی چیز کی خواہش نہیں رہتی، تم عارف و موم کے الفاظ میں کہنے لگتے  
 روزگار گرفت گورو پاک نیت تو ہماں اسے آئندہ جزا پاک نیت

یاد کے قائم کرنے کا ایک اور آسان گہم ہمیں بتلاتے ہیں، یہ تو تم ماننے  
 ہو کہ ہر شے کے خالق حق تعالیٰ میں، شے ان کی مخلوق ہے، ہمارا ذات جن  
 سابقہ ان ہی اشیاء سے ہوتا ہے، یہی ہمارے دل اور دماغ میں بسی ہوئی ہیں  
 ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بھرے ہوئے ہیں، چونکہ یہ فانی اور  
 گریز پائیں، ان کا زوال اور ان کی فنا پذیری ہمارے غم و حزن کا باعث ہوتی  
 ہے، اب قانون ایثار و فیض کی رو سے یہ ممکن ہے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی  
 طرف ذہن منتقل ہو جائے، تم یہی کوشش کرتے رہو کہ شے کو دیکھ کر تمہارا خیال  
 شے کے خالق کی طرف جائے، اس طرح تمہیں ہر طرف حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آ  
 سکے گا اور ایمان و توحید و جہد اللہ کے معنی کا پتہ اپنی فہم حاصل ہونے لگے گا  
 شے کی سببی جہت سے تو جڑ بٹ کر جہت حق کی طرف مرکوز ہو جائے گی اور  
 اس طرح یاد قائم ہونے لگے گی، تمہارا معروف فکر اب شے نہیں حق ہو گا، اور  
 ان تمام افکار سے تمہارا قلب معزز ہونے لگے گا جو دیر اللہ کی طرف رخ کرنے  
 سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس طریقہ سے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ مساوت و مسرت کا  
 سرچشمہ خود ہمارا قلب ہے، حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہے آفاق میں

حق تعالیٰ ظاہر میں اہر شے کے ساتھ بہت حق موجود ہے، مجمع علم کے استعمال سے وہم اور التباس دور ہوا اور نظر کی اصلاح ہوئی، نقطہ نظر بدلا، معلوم ہوا کہ انفس و آفاق میں حق تعالیٰ نہاں و عیاں ہیں، انہی سے تعلق قائم کرنا انہی کی یاد کا بھانا تمام مشرکوں اور سعادتمندوں کو حاصل کرنا ہے، ان سے غفلت اور ذہول اور خلق میں استغراق اور فانییت تمام بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے، من یعرض عن ذکر ربہ سلکھ عذابا سعداً - جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑتا ہے، پڑھتے عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے پچاس ۱۱ اسی مفہوم کو روحی کے دل نشین الفاظ میں یاد رکھو:-

گر گریزی بہ امید راستے ہم از آغاج پیشیت آید آفتے  
 پہنچ کئے بے دود بے نام نیت جز غفلت گاہ حق آرام نیت  
 حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت، خواہ بظاہر وہ کیسی ہی دلغریب اور  
 دل کش نظر کیوں نہ آئے، نور کو چھوڑ کر غفلت میں گرفتار ہونا ہے اور غفلت  
 سے ضیق، غم و حزن و خوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے، غفلت میں چہیز  
 اپنے مجمع حذو مال میں کہاں نظر آتی ہیں، کسی شے کا حسن و جمال تاریکی میں کیا  
 دکھائی دے گا! پھر تمہاری نظر میں اشیاء کی یہ دلی فریبی تمہارے انفس کا دھوکا  
 ہے، التباس ہے، اتھار و ابہم بھی تو خلاق ہے کیسی کیسی دلہا صورتیں یہ تمہاری  
 خوشی کے لئے پیدا کرتا ہے، ان سے تمہیں بھی لذت حاصل ہوتی ہے، تو عورتی  
 ہی دیر بعد غم کا سایہ تمہارے قلب پر چھا جاتا ہے، ابھی اعتماد ہوتا ہے، ذرا  
 دیر بعد خوف کا زبردست حملہ ہوتا ہے، اور تم کا منب اٹھتے ہو، تمہاری

طبیعت میں استقلال نہیں، استحکام نہیں، تمہاری کوئی پناہ گاہ نہیں! اگر تم اپنی  
 غفلت سے جاگ اٹھو، اگر تمہاری چشم بصیرت کھل جائے اور نورِ صداقت  
 کی دنیا نظر آنے لگے، تو نہیں ایسا دلیسی بھی دکھائی دینے لگیں گی جیسی کہ وہ  
 ہیں اب تم کو حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی، اطمینان و بردِ قلبی حاصل ہوگی، خوف  
 و حزن زائل ہو جائے گا، استقلال و استحکام عطا ہوگا اور حق تعالیٰ کے اس  
 وعدہ کا ایفا ہوگا۔

من عمل صالحا من ذکرا و  
 انثی دھرم من تلقینہ  
 جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت  
 اور وہ ایمان پر ہے تو ہم اس کو زندگی  
 حیاتِ طیبہ دےں گے (۱۹/۱۶)

یادِ حق کو قائم کرنے، تمہارا رخِ خلعت سے نور کی طرف پھیرے، مجاہدہ نے  
 راستہ کو آسان کرنے، خلق سے توڑنے اور حق سے جڑنے میں نیکیوں کی صحبت  
 عجیب و غریب اثر رکھتی ہے، صحبت کا اثر نفسیات کا ایک مستحکم اصول ہے۔ ہر  
 فرد میں بے سوچے سمجھے ہر قسم کے قضا یا کو قبول کرنے کی استعداد یا صلاحیت

۱۔ و مثل جلسین لہما تکمیل صاحب المسائل لہما یجیبہ منہ شیء اصابک  
 من رعیہ و مثل جلسین المسؤل کمثل صاحب الکیران لہما یجیبہ من سوائہ اصابک  
 من دکانہ و ابدا و دوسا من الشئ نیک ہم نشین کی مثال شک و اے کی سی ہے اگر تجھے  
 اس سے کچھ نہ ملے تو خوشبو تو ضرور دینے گی اور برے ہم نشین کی مثال دھار کی بھٹی کی سی ہے  
 اگر جمعہ کو اس کی سیابی نہ لگے تو دھواں تو ضرور پھٹے گا۔

پاٹی جاتی ہے، جب یہ قصایا خود اپنے ذہن کے اندر سے وصول ہوتے ہیں تو اسکو جدید نفسیات کی اصطلاح میں ”خود ایلازی“ (OUTO SUGGESTION) کہا جاتا ہے اور جب کسی خارجی ذہنی سے حاصل ہوں تو ”غیر ایلازی“ (HETERO-SUGGESTION) کہا جاتا ہے رات دن ہم خود ایلازی اور غیر ایلازی کے اثر کے تحت خیالات کو قبول کر رہے ہیں، اور ان کو جزو ذہن بنا رہے ہیں، اگر سلبی یا اضلالی افکار غیر ایلازی قوت کی وجہ سے ہمارے قلب میں جگہ پا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بری صحبت میں ہیں اور ان کے تغیث و افعال کی نقل کر رہے ہیں، اور اضطرابی طور پر ان سے متاثر ہو رہے ہیں ان کے سخی اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحبت ناجنس سے قطعی احتراز کریں۔

زات حقان یگریز چوں عیسیٰ گریخت

صحبت احمق بے خونہا بریخت

سلبی اثرات سے اس طرح بچ کر ایجابی اور ہدایتی علم کے لئے نیکیوں کی صحبت کی تلاش کرنی چاہیئے۔ اہل اللہ کی زبان سے حاصل کیا سوا علم اپنے اندر خاص اثر و قوت رکھتا ہے۔ وہ قلب کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے یقین و اذعان کی شکل اختیار کر لیتا ہے، علم حق کو شیخ اکبر محمد بن عربی نے ”علم اذواق“ قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ”علم الحق علم الاذواق“ عن الاذواق وهو العلم المستقیم وما عداہ فحدث و تخمین لیس فی العلم اصلاً۔ یعنی علم ذوق و وجدان سے حاصل شدہ علم ہے۔ یعنی کتابوں سے

حاصل کردہ نہیں، اور یہی علم صحیح ہے، باقی الکل بچہ، مطلق علم نہیں، شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کا علم قیاسی نہیں، مبدا، نبوت سے اخذ کردہ، بڑی قطعی یقینی ہے، حقیقی واقعی ہے، اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ نوحان کے معلم ہو گئے ہیں، اور اب وہ براہ راست اسی مبدا سے علم حاصل کرنے لگے ہیں۔ انقوا للہ و یعلمکم اللہ اس پر دلیل ہے، اسی لئے ایک دوسرے رازدان کی فیصحت ہے، کہ خف العلم باخوان رجال اللہ و کلام من الصحف والدفاتر۔ مردان حق کی زبان سے علم حاصل کر دو، کتابوں اور فرقوں سے نہیں، کیونکہ ان کتابوں میں قیاس و تخمین و ظن و رائے کے سوا کیا رکھا ہے، اہل اللہ کی صحبت خاک کو کیمیا کرتی ہے، ان کے افعال و اعمال، ان کے افکار و خیالات رفتہ رفتہ قلوب کے رنگ کو دھوتے جاتے ہیں، اور تم غیر شعوری طور پر نیکی کی طرف مائل ہوتے جاتے ہو، اور بدی سے مجتنب اور محتر ز اور بلا آخر غفلت سے نکل کر نور کی طرف تمہارا منہ ہو جاتا ہے، عارف روم نے صحبت مردان حق کے اثرات کو یوں بیان فرمایا ہے۔

خواہی کہ دریں زمانہ فردے گودی      بادور رہ دیں صامب درو گودی  
ایں را بجز از صحبت مردان مطلب      مڑے گودی چو گرد مڑے گودی  
یہ کو نہ وامع الصادقین کے حکم کے پنہاں فائدوں کی اجمالی توضیح ہے۔  
سیرت سازی کے قرآنی اصول کی اوپر جو توضیح پیش کی گئی، اس کو اجمالاً

ایک دفعہ پھر دہرا لیجئے، اذاتکد یقتد، تکرار سے چرین زیادہ دلنشین ہوتی  
 نہیں، سیرت کی عمارت کا سنگ زاوید کہ لا الہ الا اللہ پر پختہ یقین و اذعان ہے  
 تمام انبیاء کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا کہ یا قوم اعبدا للہ ما لکم من الہ  
 غیرہ، اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود و رب نہیں،  
 اللہ ہی لائق عبادت میں، استغاثت انہی سے کی جانی چاہیے، میرا سر اللہ ہی کے  
 سامنے جھک سکتا ہے، غیر کے سامنے نہیں، اس بنیادی عقیدہ کا زبان سے  
 اقرار ضروری ہے، زبان سے بار بار کی تکرار یقین کو مضبوط کرتی ہے، جس قدر  
 یقین میں بڑھتی ہوگی، اسی قدر عمل میں سہولت ہوگی، یقین میں شدت پیدا  
 کرنے کے لئے غور و فکر و تدبر و مراقبہ ضروری ہیں، یقین اس شدت کا پیدا  
 ہو جائے کہ شک و شبہ کی مطلقاً گنجائش نہ رہے، تم جانتے ہو کہ آگ میں پانی  
 ٹپکنے سے تمہارا ہاتھ جل جائے گا، اسی طرح تمہیں تو میری فی المعبودیت و توحید  
 فی الربوبیت کا یقین ہو جانا چاہیے، ازلت درج عبادت کی اصل ہے، حق  
 تعالیٰ ہی کے سامنے اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جو ہمارے مالک ہیں، حاکم  
 ہیں، مولیٰ ہیں، خالق ہیں، رب ہیں، وکیل و قصیر ہیں، حق تعالیٰ ہی نافع و  
 ضار ہیں، معز و مذل ہیں، حاجت و مراد سوا ان کے کوئی پوری نہیں کر سکتا،  
 اسی لئے انہی کے سامنے و درت سوال و راز ہو سکتا ہے، کسی اور کے سامنے  
 ہرگز نہیں زبان پر یہ دوا جاری ہے، اور قلب میں اس کا مفہوم ممکن،

اللہم کما منعت فجهنما      الہی جس طرح تو نے ہمارے  
 ان تسجد لعینک و فعلن      چہروں کو غیر کے آگے سجدہ

ایہا ناناں تندر باسکواں  
 گرتے سے پالیا اسی طرف ہمارے  
 لعل بولک  
 ہاتھوں کو اپنے فیر کے آگے بڑھال  
 کرنے سے بچالے۔

اس عقیدہ اور یقین کا شمع اپنے ہم جنوں کے آگے کیے خود کو ذلیل کر سکتا ہے، اس کی سیرت غلاموں کی سی کیے ہو سکتی ہے، وہ نفع و ضرر کی توقع غیر اللہ سے کب رکھ سکتا ہے، اور اپنی عزت اس وہی نفع و نقصان کی خاطر کیے بیچ سکتا ہے، مجاہدہ اساسی کو بچتہ کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ خاطر کی نگہبانی کی جائے، سلبی اور اضالی علم کو ایجابی و ہدایتی علم سے بدلا جائے، قانون ”تقسیم انکار“ LAW OF THE POLARISATION OF THOUGHT نغنیات کا ایک مسئلہ قانون ہے، اسی قانون کے استعمال سے اضالی علم ہدایتی علم میں تبدیل کیا جاتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ ایجابی خیالات ہدایتی انکار کو ذہن میں ہمیشہ جمانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے، جب یہ قلب پر چھا جاتا ہے، تو قلب تمام ظلمتوں سے پاک ہو جاتا ہے، نورانی ہو جاتا ہے، نور ہو جاتا ہے، اللہم اجعل فی نفسی نوراً اللہم اجعلنی نوراً۔ کی دعا قبول ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ سرور و طہائیت ہے، سیرت و سعادت ہے، چراک سیرت کی لازمی خصوصیت ہے، نیک سیرت شخص سرور و مطمئن ہوتا ہے، اس کی جان اس کا حق رادت میں ہوتا ہے، وہ نظر نور ہوتا ہے، غم سے فارغ اور دائم سرور ہوتا ہے، یہ

روحانی سرت ہے، جو طبعی غم و حزن میں باقی رہ سکتی ہے، الا ان اولیاء  
 اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون، الذین امنوا وکانوا  
 یتقون لہم البشیری فی الحیوة الدنیاء فی الاخوة لا تبدل  
 لکلمات اللہ ذلک هو الفوز العظیم (پ ۱۱، ج ۱۱)

---



## تصحیح فکر

اُسے برادر تو ہمیں اندیشہ مابقی استخوان دریشہ  
گر گل است اندیشہ تو گلشنی در بود خارے تو ہمہ گلشنی  
(سوم)

۱ افکار و خیالات ہی سے مقاصد و غایات کا تعین ہوتا ہے، مقاصد کردار،  
افعال و اعمال میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، افعال ہی کی تکرار سے عادت قائم  
ہوتی ہے، عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت تشکیل باقی ہے اور سیرت ہی  
ہماری قسمت کا تعین کرتی ہے، جیسی سیرت ویسی قسمت، لہذا جیسے خیالات  
ویسی کائنات، انا عند ظن عبیدی بی۔

یہ قانون ذہن کے دائرہ میں وہی صداقت و اہمیت رکھتا ہے جو قانون  
تجاذب دائرہ فطرت میں، قطعی و یقینی، جب سیرت اور قسمت کی تشکیل و

۲ یہ مقالہ "بزم فسطح" کی کرسی انٹین کے موقع پر دیا گیا، جو جامعہ عثمانیہ جدید، بادکن کے  
محبہ فسطح کی بزم سباحہ ہے، جامعہ صارف اپریل ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔

تبعین میں اذکار و خیالات ہی کی کار فرمائی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کیلئے اپنے اذکار و خیالات کی اصلاح اس کا اپنا نہایت اہم فریضہ ہے، قوم سازی اور فرد کی روح کی تکمیل اصلاح خیال پر منحصر ہے۔ ع

ایک تنقیہ دماغ می باید کرد

مقاصد و غایات کا دائرہ ذہن انسانی ہے، انسان کا کوئی فعل مصلحت و غایت سے خالی نہیں ہوتا، اب مقاصد کا تعین غور و فکر و روح اور بچار پر منحصر ہے، فکر ہی کا ثبات کی سب سے زیادہ عظیم الشان قوت ہے اور یہی ان دونوں انسان میں سب سے زیادہ غیر ترقیب یافتہ قوت ہے، اس کی تربیت ہی کے متعلق مجھے یہاں کچھ کہنا ہے۔

فرض کیجئے کہ آپ کو ایک باغ لگانا ہے، اس کے لئے آپ کو چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا، جن کو باغبانی کے قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ دریافت کرنی ہے کہ باغ لگایا کہاں جائے، پھر اس جگہ کو مسطح اور صاف و خشک سے پاک کرنا ہوگا، یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے، پھر ہمیں پھلوں یا ترکاریوں کے بیج کا انتخاب کرنا چاہیے، اور اس عمل کی تیار کی ہوئی زمین میں انہیں بونا چاہیے۔ ہمیں اس امر کا بھی خیال رہے کہ بیج عمدہ ہیں، ناقص نہیں، پھر موسم گرما میں ان بیجوں کو پانی دینا پڑتا ہے تاکہ شدتِ تمازت انہیں جلانہ ڈالے، اب ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے کہ وقتِ مقررہ گزر جائے اور بالآخر گل تر و غنّائی کرے، اگر بے مہربانی سے ہم بیجوں کو کھود کر دیکھنا چاہیں کہ یہ جل تو نہیں گئے، تو پھر ان بیجوں کو نشو و نما کا

موتج نہیں ملے گا، بعض دفعہ ہمیں کچھ زیادہ دن انتظار کرنا پڑتا ہے، لیکن اگر ہم نے جس وقتا تک سے اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجوں کے انتخاب میں غلطی نہیں کی، آبادی کی ہے، تو ہمیں یقین ہے کہ ایک دن زندگی دامن زمین چیر کر پتوں کی شکل میں جلوہ افروز ہوگی، اسی زمانے میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ باؤ و بالان، آفتاب و حرارت، بیجوں کے نشوونما کے لئے ضروری ہے، طوفان ٹک انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں، ساری کائنات انور کائنات کی ساری قوتیں ان کے ساتھ اشتراک عمل کر رہی ہیں۔

فرض کرو کہ انتظار کی مدت مجدد اللہ گزر گئی، باریک بیجوں نے خوش رنگ و دلفریب لالہ و یاسمین کی شکل اختیار کی، فطرت کا زبردست لیکن ماؤس سحر جلدی آنکھوں کے سامنے پیش ہوا، شروع ہی سے ہم جانتے ہیں اور یہ علم مرتبہ یقین تک پہنچا ہے کہ جس بھول کا بیج ہم نے بویا ہے، وہی بھول والا پودا رہنا ہوتا ہے، اور ہزاروں باریکیوں کے ساتھ اپنے اندر ان تمام چیزوں کا اعادہ کرتا ہے جو اس پودے میں پائی جاتی ہیں، جس کا یہ بیج ہے کیا اس بیج کو اصلی بھول کی نہ بھولنے والی صورت یاد رہتی ہے؟

بھول کی غایت تخلیق سے تو ہم واقف نہیں، لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ یہ ہمارے دل کا سرور آنکھوں کا نور ہے، کسی کے پاکیزہ الفاظ میں ہم اس کو ربیع قلبی، نور بصیری، جلا و عزنی، ذائب ہستی کہہ سکتے ہیں!

باغبانی کے یہ قواعد تو آپ سب جانتے ہیں، کوئی نئی بات نہیں، لیکن میری دانست میں نئی بات جو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ

بالکل انہی قواعد و قوانین کے استعمال و پابندی سے آپ دنیا کی تمام حسین و خوشگوار چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں، جو زندگی کے بیچ میں مستور ہے، وہی ہم میں سے ہر ایک میں موجود ہے، ان چیزوں کے حصول کے لئے ہمیں زندگی کی ویسی ہی خدمت کرنی پڑتی ہے جیسی کہ ان پھولوں کے پھول کی ہم نے کی تھی۔

دلغریب پھولوں کے لئے آپ نے خارج (عالم اکبر) میں باغ لگایا تھا شادمانی و مسرت کے حصول کے لئے آپ کو باطن (عالم اصغر) میں باغ کے لئے زمین تیار کرنی ہے، شاید آپ کو علم نہیں کہ اس کا حلق و وقوع ٹھیک کہاں ہے؟ یہ باغ آپ کو اپنے "میدان فکر" میں لگانا ہے، کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے ٹال ایک عظیم الشان میدان فکر موجود ہے۔ جس کی وسعت کو ارض و سما نہیں پا سکتے، صرف ہمارا دل ہی اس کو سما سکتا ہے، افوس ہے کہ یہ میدان خس و خاشاک سے ڈھکا ہوا ہے، چاہتے ہو کہ خس و خاشاک ہے کیا، وہی سلی افکار و خیالات جن کو مختصر طور پر "شرائیکز" بر غلط خیالات کہنا کافی ہوگا، واقفان راز کا اصرار ہے کہ یہی ہمارے تمام مصائب و آفات کا سرچشمہ ہیں، ان سے ذہن و قلب کو پاک و صاف کرنا چاہیئے، اس راز کو سمجھنے کے لئے اس لغیاتی قانون پر غور کرو، جس کا ہم نے ابتدا ہی میں ذکر کیا ہے، افکار و خیالات ہی سے ہم زندگی کے مقاصد کا نعتیں کرتے ہیں، اب یہ مقاصد ہی محرک بن کر ہمیں عمل پر آمادہ کرتے ہیں، اعمال کی تکرار عادات، راسخہ کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اور سیرت سوائے ان عادات راسخہ کے منظم مجموعہ کے اور کوئی چیز نہیں اور ہماری سیرت ہی

ہماری قسمت کا دوسرا نام ہے! سلبی خیالات فاسد مقاصد کا تعین کرتے ہیں انہی سے تو شر کا صدور ہوتا ہے! شر کا ارتکاب عارت بن کر سیرت بد کی تشکیل کرتا ہے اب میکا کی طہر پر بغیر غور و فکر کے شر ہی کا صدور ہونے لگتا ہے! اور شر کے نتائج و شرارت سے ہم سب واقف ہیں، درود و رنج، غم و الم، حزن و مایوس۔

سیدان فکر کا سلبی خیالات کے خس و خاشاک سے پاک ہونا ضروری ہے ورنہ خیالات کی قہم ریزی لازمی سلبی خیالات کو دور کرنے کا طریقہ ان سے جنگ کرنا نہیں، ان کا زور مردا لگن ہوتا ہے! جب ہم ان سے مقابلہ کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے اب حیات (یا چشمہ حیات) کا بہاؤ توجہ کی طرف ہوتا ہے! الفاظ دیگر، اگر ہم کسی گناہ یا شر کی جانب توجہ کریں، اس کے استیصال کی خاطر سبھی تو زندگی کی تمام قریب اس کی جانب رخ کرتی ہیں! اس طرح اس کی طاقت میں اور اضافہ ہوتا ہے! مثلاً اگر ہمیں بے خوابی کا مرض ہے تو ہم جب قدر اس کے متعلق فکر کریں گے اور اس کو دور کرنا چاہیں گے، الفاظ دیگر اس کا مقابلہ کریں گے، اسی قدر تعلیف زیادہ ہوتی جائے گی! اس کے برخلاف اگر ہم اس کو بھول جائیں، تو ہم غنڈھی منیدو جائیں گے! اسی طرح شر کے مقابلے سے اس کی طہر توجہ ہوتی ہے! اور توجہ سے اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

شر کا مقابلہ خیر سے کرنا چاہیئے، ظلمت کا مقابلہ نور سے، ظلمت کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہیئے، ظلمت کا مقابلہ ظلمت سے کرنا

”ظلمات فوق ظلمات“ کا مصداق بنتا ہے، اگر تمہیں نفرت کو دور کرنا ہو تو محبت کا  
 نقیض کر دو، خوف کو دور کرنا ہو تو شجاعت و بہمت پر نظر جماؤ، خود غرضی کے بجائے  
 ایثار نفس کا خیال رکھو، اسی طرح تمہیں غصہ کے بجائے حلم، بیماری کے بجائے  
 صحت، کج خلقی کے بجائے خوش خلقی، شکایت کے بجائے صبر و شکر، خلق کی جیدہ  
 ساتھی کے بجائے رازق مطلق کا خیال اپنے ذہن میں جمانا چاہیے، تمہارا  
 مہر و فیض فکر جو گکارنہ رفتہ وہی تم بھی بن جاؤ گے، یہی سہی ہیں جانی سائی  
 کے اس قول بلیغ کے

گرد دل تو گل گرد و گل باشی      در بلبل بیہ قرار بلبل باشی  
 تو جزوی و حق کل است اگر دیکھند      اندر نیلہ کل پیشہ کنی کل باشی

اس فکر کے ایک دوسرے اعتبار پر غور کرو، دنیا میں وہی چیز برتری ہے  
 جس کو ہم برا سمجھتے ہیں، اگر ہم اس کو برانہ سمجھیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے  
 جسم کو آزار پہنچائے، لیکن وہ ہمارے قلب کو چھو نہیں سکتی، یاد رکھو دنیا میں  
 ہر چیز کی قیمت رائے پر منحصر ہے اور رائے تمہارے اختیار میں ہے، جب  
 چاہو رائے کو ترک کر دو، پھر اس طارح کی طرح جس نے اپنے جہاز کو سمندر ہی  
 پہاڑیوں سے بچاؤ کالام ہو، تمہیں ہر طرف سکون نظر آئے گا، اگر تم اپنی رائے کو

۱۔ احادیث میں خطرات و سادس کو دور کرنے کے لئے بعض اذکار یا مطلق ذکر کی  
 ترغیب دی گئی ہے، اور علاج پیش کر رہے ہیں، اس کا استنباط انہی احادیث سے  
 کیا گیا ہے، جو عیب الاثر نفسیاتی طریقہ ہے۔

دک کر دو تو پھر یہ شکایت باقی نہ رہے گی کہ مائے مجھے نقصان پہنچا۔ اس شکایت کو ترک کر دو کہ مائے مجھے نقصان پہنچا تو نقصان خود باقی نہ رہے گا، اسی لئے کہا گیا ہے کہ عقلمند آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کسی خوش قسمتی کا محتاج نہیں خیالات کا ماحول پر اثر ناقابل انکار ہے، خیالات کی پختگی اور قوت انسان کی روح کو سخت جسمانی تکلیف میں بھی مطمئن اور قوی رکھ سکتی ہے، ارادہ نتیجہ ہے توجہ کا یعنی خیال و فکر کا، جن خیالات کا اظہار انسان عمل میں کرنا چاہتا ہے، ان ہی پر توجہ مرکوز کرتا ہے، ان ہی کو ذہن میں دہراتا ہے، اُلٹاتا ہے پٹاتا ہے، ان ہی سے اس کے ذہن کی فضا عملو ہوتی ہے اور یہی خیالات عالم آثار میں عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں، خیال حقیقت ہے عمل اس کا ظہور ہے، ولیم جمیس نے سچ کہا ہے ”زندگی کا ڈرامہ ایک ذہنی ڈرامہ ہے ساری مشکل ذہنی مشکل ہے“

میدان فکر کو حض و خاشاک سے پاک کر کے نیک خیالات کی تحم ریزی کرو، بارغ کے بھول کی طرح خیالات کے انتخاب میں بھی خرم و احتیاط ضروری ہے اور جس طرح بیج کو پودے کی شکل میں نمایاں ہونے کے بعد عرصہ لگا تھا اور پھیں انتظار کرنا پڑا تھا اسی طرح خیالات کو قلب میں لپیڑ لپیڑ کرنے اور ہر نیک عمل میں ظاہر ہوتے دیر لگتی ہے، تمہیں لپٹ بہت نہ ہونا چاہیئے اور نہ رنجیدہ اگر تم نے اپنا کام قاعدے کے موافق کیا ہے احض و خاشاک کو صاف کیا ہے، نیک خیالات کے ہونے میں احتیاط برتی ہے تو شادمانی و مسرت اطمینان و درو قلبی، سرور و کعبہ وہ گلہائے شاداب ہیں جو نتیجہ کے

طویر پر نہیں حاصل ہوں گے۔

ان حقائق سے واقف ہونے کی وجہ سے عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی دشمن نہیں، اگر اس کا کوئی دشمن ہو تو خود اس کا نفس ہی راعی عدو وک نفس الہی بین جبیلک (البیہقی میں حدیث ابن عباس) اسلئے نہ کہ کسی پر ملامت کرتا ہے، اور نہ کسی کی مذمت، بروقلی کے ساتھ ہمہ نفس کرتا ہے، صبر و سکون کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتا ہے، صرف یہی نہیں کرتا بلکہ کسی مزید فرض میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرتا ہے، وہ اپنے خیالات پر نظر رکھتا ہے، قلب کا دربان بن جاتا ہے، بد یا سلبی خیال کو داخل ہونے نہیں دیتا، داخل ہو جائے تو فوراً انیک یا ایجابی خیال کو اس کی جگہ لے آتا، اپنے افعال کو بے عیب بناتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حال نتیجہ ہے اضی کا، قیمت نتیجہ ہے خیالات کا!

کابل گوید جہاں تمام و اہل است      ناقص گوید کہ کونہ است و اہل است  
شطنخ جہاں عرصہ جہاں رخت جہاں      این بیرون و باختن ز علم جہاں است  
(سجانی اشترآبادی)



## قانون تجاذب اور سیرت سانی

ہم بد باشند سزا ئے بد کرداری  
گندم نہ دہد بار چو چو می کاری  
بانی خداوند کریم است درحیم  
(رومی)

قانون تجاذب (LAW OF ATTRACTION) ذہنی یا روحانی  
زندگی کا ایک ضروری کئی اور عالمگیر قانون ہے نہ اس کی ضد قابل تصور ہے اور  
نہ اس کا کوئی استثناء ہے، کون شبہ کر سکتا ہے کہ جن طبائع میں مخالفت پائی  
جاتی ہے وہ ایک استخذا بی قوت کے زیر اثر ایک دوسرے پر غیر شعوری طور پر  
مسائل ہوتی ہیں اسی لئے تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی سیرت کا مجموعہ اندازہ  
کرنا سہ تو دیکھو اس کی صحبت کیسی ہے، قانون کی صداقت کا تو ہر کوئی قائل ہے  
لیکن ہمیں یہاں اس کے بعض نقصانات کو ذرا کھیل کر بیان کرنا ہے۔  
”بشدار کہ راہ خود بخود گم نہ کنی“

فکر کی دنیا میں اس قانون کی سرگرمی پر غور کرو! ایجابی اور نیک خیالات  
عاش خیالات کو اپنی طرف متذبذب کرتے ہیں، اور ان کے درمیان اختلاف

یادداشت کی ہوتی ہے، اسی طرح بد سلیبی اور شرانگیز افکار باہم وابستہ ہوتے ہیں ایک دوسرے کو پیدا کرتے ہیں، اپنی طرف کھینچتے ہیں، وقت پہنچنے میں تھمکتے ہیں، ذہن میں ایک خیال آتا ہے، اب اس کو تھوڑی دیر روکے رکھو، اس پر تخیل کی تعمیر قوتوں کو مرکوز کرو، مماثل خیالات کا خطر شروع ہو جائے گا، رفتہ رفتہ ان میں زیادتی ہو جائے گی اور بالآخر ان کا ہجوم ہونے لگے گا اور ہمارے ذہن کی فضا ان سے غلو ہو جائے گی، جن لوگوں نے اپنے ذہن کی تربیت میں کوشش کی ہے اور اپنے افکار و خیالات پر قابو پید کر لیا ہے، وہ اس قانون کو تعمیری طریقہ سے استعمال کرتے ہیں، اور دنیا سے اپنی قوت فکری کا لوٹا سواتے ہیں !

دیکھو مصنف کسی خاص موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہے، ایک مرکزی خیال اس کے قلب پر چھایا ہوا ہے، وہ رات دن اسی میں غرق ہوتا ہے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اس کا ذہن اسی میں مصروف ہوتا ہے، تاہم ان افکار و تصورات کا تسلسل شروع ہو جاتا ہے اور نامعلوم و ناقابل علم منبع سو خیالات کا چشمہ ابھنے لگتا ہے اور جب تک یہ حالت نہ ہو مصنف لکھنے کی کوشش نہیں کرتا، اسی طرح مقرر اپنی تقریر کی تیاری کے لئے اپنے موضوع پر ذہن کی سرچ لاسٹ ڈالتا ہے، انماک کے ساتھ اس پر غور کرتا ہے، قانون بناتا ہے، غیر مرقی عمل مماثل تصورات کا ذخیرہ بہت جلد فراہم کر دیتا ہے، ان میں ترتیب بھی پیدا ہو جاتی ہے اور نظام بھی، یہ سب سب نامعلوم سے پیدا ہوتے ہیں اور مقرر کا ذہن ان کا قیام گاہ ہوتا ہے، یاد رکھو کہ مفکر تصورات کا خالق نہیں

حاصل ہوتا ہے وہ تصورات کو پیدا نہیں کرتا، وہ محض قانون کی پیروی کرتا ہے۔ اور نتیجہ کے طور پر اس کو خیالات و افکار کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، یہ عطا ہر شخص کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔

قانون کے تضمن و تعبیر سے واقف ہونے کے بعد حصول مسرت اور تزکیہ نفس یا سیرت سازی کی خاطر اس کا استعمال کرو اس کی ترویج میں ضعیف کتابیں لکھی جاسکتی ہیں، لیکن ہم دو ایک مثالوں پر یہاں اکتفا کریں گے، افریقہ کو کہ جمہوری کا دہم تھا، اسے دل میں پیدا ہوا اب بجائے اس کے کہ تم اس کو قبول کرو اور اس کے متعلق فکر کرنے لگو اور ذہن کو محاش و دوسوں اور دھوکا آمیز گاہ بنا لو تمہیں چاہیے کہ اس دہم کو نفی کرو اور وہ اس طرح کہ سب علم کی طرف فوراً متوجہ ہو جاؤ، یعنی حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور آہستگی سے لیکن پورے اعتماد و اذعان کے ساتھ کہ برحمت نفسی بالہی العیون الذی لا یوت ابداً اور دفعت عنها السوء بالف الف کاحول کلا قوتہ

إلا باللہ -

یابیوں کو "میں حق تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں اور تمام بیماریوں اور  
آفتوں سے محفوظ و مامون" مان الغاظ کو دیکھا کر کہنے کی ضرورت نہیں، بعض

۱۷ میں نے اپنے فتن کو ختم کر لیا اس نجات پاک کی مدد سے جو میری اوجھڑم ہے اور جو کبھی نہیں مرقی اور اپنے فتن سے باہر کیوں در کیا، اسی کی حوصلہ دہ قوت سے یہ حدیث کے الفاظ میں ضروری نہیں کہ ان ہی کا استعمال کیا جائے ان کے بجائے کوئی اور معنوں الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

ذہنی طور پر یہ کہے جاسکتے ہیں جو شخص اس طرح سلبی خیالات کو ذہن میں اتارنے اور اپنی جگہ بنانے سے روکتا ہے اور قانون تجاذب کو اجازت نہیں دیتا کہ اپنے عمل سے ان سلبی، فاسد اور تباہ کن تصورات کی تعداد میں اضافہ کرے اور قلب کو خوف و ہراس سے بھر دے بلکہ اس کے برخلاف اپنی حقیقت کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور وہاں سے ایجابی اور قوت بخش تصورات کو انہیں کرتا ہے جو قانون تجاذب کے عمل سے ہر آن زیادہ ہو جاتے ہیں، ہر دم نئی طاقت حاصل کرتے جاتے ہیں، قلب کو قوی کرتے ہیں، سیرت کی تعمیر کرتے ہیں، اور فور قوت کی وجہ سے عمل میں نمایاں ہوتے ہیں، صحت کو درست کرتے ہیں، ماحول کو خوش گوار طریقہ سے بدل دیتے ہیں، موافق مرام نتائج پیدا کرتے ہیں، اور اس طرح بہت سی کو بدل دیتے ہیں، یاد رکھو بیماری کی اصلی علت ذہنی ہوتی ہے، کیونکہ اگر ہم جراثیم کے فطریے کو بھی مان لیں تو بھی یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جراثیم کا اثر قلب پر نہیں ہوتا جراثیمی (POSITIVE) (TIME) ہوتا ہے یعنی جو خود کو سلبی خیالات کا بازیگاہ نہیں بناتا، جو ہر دم دوسروں اور ہمدردوں کی نفعی کرتا ہے، اور ان کی بجائے ایجابی اور حیات بخش اور نیک خیالات کا اثبات کرتا رہتا ہے اور ان کے مبدع یعنی اپنی حقیقت کو کسی آن فراموش نہیں کرتا، ایسا قلب قوت کا مرکز ہوتا ہے، توانائی کا مبدع ہوتا ہے، ایسا قلب بیماری کا آسانی کے ساتھ کیے شکار ہو سکتا ہے، بیماری طبیعت کو کمزوری سے پیدا ہوتی ہے، طبیعت اگر قوی ہو تو دوسرے سے بیماری کا وجود ہی ناممکن ہے، یہ کوئی ایجابی چیز نہیں بلکہ سلبی صفت ہے، قدرت کا

نہ ہونا ہی بخیر ہے، قوت کا نہ ہونا ہی بھاری ہے، سلبی خیالات، منفی افکار قوت کو سلب کرتے ہیں، قلب کو کمزور کرتے ہیں، اعضاء کو مضمحل کرتے ہیں، اعصاب میں تناؤ پیدا کرتے ہیں، اور اسی لئے ان کو ایجابی و ثبوتی تصورات سے بدل دیا جانا چاہیے، ایجابی افکار کا بید و حق تعالیٰ ہیں جو ہم نے ان کی طرف اپنا رخ کیا، گویا ہم ظلمت سے نکل کر روشنی میں آئے، اب روشنی کی کرنیں آہستہ آہستہ ہمارے جسم میں داخل ہوتی ہیں، ان سے مردہ اعصاب جاگ اٹھتے ہیں، مضمحل اعصاب نوانائی آتی ہے۔ قلب و جگر تازہ دم ہو جاتے ہیں کھوئی ہوئی صحت پوری قوت کے ساتھ عود کر آتی ہے، صحت کے حصول کے لئے اور اس کے قیام و بقا کے واسطے اس قلعی و جتنی نئے کو یاد رکھو اور ہمیشہ اس کو استعمال کرتے رہو۔

قانون تبادُل کے استعمال کی ایک اور مثال پر غور کرو، تم پر کسی نے زیادتی کی ہے، تمہارے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا گیا ہے، تمہیں غصہ آتا ہے، رنج ہوتا ہے، اضطراب ہوتا ہے اور تم اس نقصان پر ذہن کی ساری قوتوں کو مرکوز کر دیتے ہو، نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ سب سے پہلے ”مماثل“ خیالات کا ہجوم قلب پر ہونے لگتا ہے، یہ تاریک اندوہ خیز، زہریلے خیالات جو قانون تبادُل کے عمل سے پیدا ہو رہے ہیں، اپنے مخصوص سایہ سے تمہاری ذہنیت کو مسموم کر دیتے ہیں، تمہاری مسرت ناپا ہو جاتی ہے، تمہاری صحت ٹوٹنے لگتی ہے، اور ممکن ہے کہ بالآخر تمہارا دارغ بھی متاثر ہو جائے اور اس میں فتور آنے لگے، اللہ انتقام کا سوقتہ فاتر دماغ اگر انتقام پر اتر آئے تو اس کے نتائج اور اثرات عموماً

سُرت و طمانیت قلب کے لئے مفید نہیں ہوتے۔

مرغ پر نارسہ چوں پڑاں شود نقد ہر گز در اس شود

(منوی)

اب اگر تم دمِ اذہمہ و توکل علی اللہ رب ۲۲۲) پر عمل کرتے ہوئے اس کو صاف کئے دیتے ہو اور اپنے خیالات کی رو کو بدل دیتے ہو ایسی خیالات کی بجائے ایجابی افکار کے قبول کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہو تو تمہیں ان تمام شرانگیز و فتنہ خیز نتائج سے نجات مل جاتی ہے اور اب تجاذب کا قانون تمام اچھی چیزوں کے رخ کو تمہاری طرف پھیر دیتا ہے اب تم کو حقیقی معنی میں حریت نصیب ہوتی ہے، طمانیت حاصل ہوتی ہے سُرت مبر ہوتی ہے کیونکہ تم نے سینہ کو کینہ سے پاک کیا، غضب سے پاک کیا، ان منفی جذبات کے دور ہو جانے سے تمہارے قلب سے ظلمت دور ہوئی، نور کا دخل ہوا، اور تمہاری ہستی کو ہر ذرہ اس نور سے جگمگا اٹھا، اسی لئے تو کسی عارف نے کہا ہے،

عالم تمام یک گل ہے خمار می شود  
دل را از کینہ گرد صفا کند کے

ہر فعل کا اثر، ہر حرکت کا رد عمل، ہر علت کا معلول قطعی ہوتا ہے یہ قانون کلی اور ضروری ہے، اب کینہ و غضب کے جذبات کا لازمی و جبری نتیجہ غم و حزن کے سما اور کیا ہو سکتا ہے، اسی طرح غم و احسان و رحمت، گرم

لے چھڑ دے ان کا تانا اور بھروسہ کر اللہ پر۔

صبر و شکر کا قطعی و ضروری نتیجہ مسرت و طمانیت، توافق و الفت، صلاح و غیثہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ عقلیت کے اس کلی عالمگیر و زوجی و لزومی قانون پر یقین ہو جائے تو احسن الی من اسنا، حکم پر عمل کرتے ہوئے ہمیں کوئی تکلف نہیں ہوتا اور ہم اپنے اس عقیدہ کا اظہار کسی شاعر تاہم المعروف کے سر پرے نغموں میں یوں کرتے ہیں،

ہر کسے در راہ من خار ہند من گل نہسم!

اور نئے خار یاد من جزائے گل یرم!

یہ سن کر اور مان کر بھی تم ذرا جھٹکا کر کہتے ہو، کیا یہ میرے بس کی بات ہے؟ بہر حال شیر ہوں اور فطرۃ ماثل یہ شر ہوں، فطرۃ "فلوٹم" ہوں، "جہول" ہوں، غلط و جہل میری باہریت میں داخل ہیں، ان صفاتِ عدمیہ کو مجموعہ سے دور کیسے کیا جا سکتا ہے، ان کی وجہ سے آفت و مصیبت میں مبتلا ہوتا رہتا ہوں لیکن بچ پھوٹو حال یہ ہے۔

پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے!

(غالب)

تم ایک حد تک ٹھیک کہتے ہو آؤ ہم تمہیں ایک نفسیاتی طریقہ بتا دیں جس کے استعمال سے تمہیں غایت کے حصول میں آسانی ہوگی۔  
جس شخص سے تمہیں نقصان پہنچا ہے اور جس کے خیال سے تمہارے

سہ چس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے اس کے ساتھ بھلائی کرو۔

بدن میں سوزش ہوتی ہے اور جس کو معاف کرنا تم ممکن نہیں سمجھتے اس کو معاف کرنے کے لئے تمہیں چاہیے کہ کچھ دن اس صداقت پر غور کرو۔

وما اصابکم من مصیبة

فما کسبت ایدیکم ویعفو اور تم کو جو مصیبت پہنچتا ہے تو وہ تمہارے

عن کثیر۔ (پ ۵۷۲۵) ہی ہاتھوں کے لئے ہوتے کاموں

سے ہے اور بہت سے تو اللہ درگزر

کرتا ہے۔

نیز

انماھی اعمالکم نزدعلیکم یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر  
(الحدیث) لٹائے جاسکتے ہیں۔

فرا سوچا اصل میں تمہارا کوئی دشمن نہیں سوائے تمہارے نفس کے یہ سب کچھ اسی کا کمایا ہوا ہے اور اسی کے عین کا تقاضا یدالکسبتا و فوالنعم۔ دوسرے کو اپنے افعال کا ذمہ دار قرار دینا تمہاری عقل کی کچی اور جذبات کی خامی کی دلیل ہے جوں میں تم اس صداقت پر غور کرتے جاؤ گے، تم پر وائعات کھلنے جائیں گے اور ہر آفت، ہر مصیبت کی علت تم اپنی ہی کسی حماقت کو پاؤ گے، اگر سلسلہ تفکر کو چند روز جاری رکھو گے تو حقیقت اس قدر میر ہن ہو جائے گی کہ بے اختیار چیخ اٹھو گے کہ غلطی میری تھی کسی دوسرے کی نہیں، اور حق تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت تو کسی طرح نہیں کی جاسکتی،

یہ دوسرے ہاتھوں نے کمایا ہے اور میرے ہی منہ نے پھونکا ہے۔



ان اللہ کیس یظلام للعبیۃ۔

ہرچہ بہت از قامت ناسازچی اندام است  
ورنہ تشریف تو بر بالا کے کس کوتاہ نیت

اس اصول کی صداقت کے وجدان میں کھل جانے کے بعد تم اپنے  
دشمن کو بھی معاف کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

اگر تم جذباتی انسان ہو، عقل سے کافی حصہ تمہیں نہیں ملا ہے، اور  
ذکورہ بالا اصول تمہاری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا تو تمہیں یہ دوسرا طریقہ  
اختیار کرنا چاہیے۔

جس شخص کو تمہیں معاف کرنا ہے اس کی شبیہ اپنے غیظ کی مدد سے  
اپنی نظروں کے سامنے لے آؤ اور اب اس کو مخاطب کر کے کہو:-

میں تمہیں (نام شخص) حبشہ شد پوری طرح معاف کرتا ہوں، دُعا کرتا  
ہوں کہ حق تعالیٰ تمہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز کریں اور تمہیں نورانی  
کردیں، آمین۔

اگر تم یہ عمل چند روز مسلسل و غلوص دل کے ساتھ کرتے ہو۔ تو کچھ دن  
تمہیں یہ معلوم کر کے تعجب ہو گا کہ تمہارے لئے اس شخص کو معاف کر دینا زیادہ  
مشکل تو نہیں، اپنے اس مجاہدہ سے اگر تم نے حسن خلق حاصل کر لیا کہ خلق کی  
طرف سے جفا کے باوجود ان سے وفا کی، رحمت و شفقت کو اپنا شعار بنایا،

لے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غلظت کرنے والا نہیں۔

اور ان کے لئے بخشش و عفو کی دعا کی، تو اب حقیقی مسرت، طمانیت، سکون  
 برد قلبی، محبت، وہ انعامات ہیں جو حق تعالیٰ کی جانب سے تم کو عطا کئے  
 جائیں گے، اور وہ تمہیں بطریق احتیاج اپنی جانب پہنچائیں گے۔

بہار بیدار است مردم را بسوسے حق و سے

مراہ نزدیکش دل مردم بدست آوردن است

ان هذا الموهب العوذ العظيم، لمثل هذا أفيد عمل العالمون - (پ ۱۳، ۶۷)




---

۱۔ بیشک یہی مراد ہو، یہی مراد ملتی، ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے !

## علاج خوف<sup>۱</sup>

اس مختصر مقالہ میں میں نے ایک خوفناک جذبہ سے نجات کے چند نفسیاتی اصول پر روشنی ڈالی ہے، جو اہل سے آخر تک قرآن کریم سے ماخوذ ہیں۔ خوف سے میری مراد، ماسوائے اللہ کا خوف ہے میں خشیت اللہ کو کوئی قابل علاج چیز نہیں سمجھتا مباد اللہ یہ تو میں مقصود ہے۔ امان بخشی اللہ من عبادہ العلماء، اصول کو میں نے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے، اور تفصیلات کو ترک کر دیا ہے۔

دوروزہ عمر پر خوف و خطر است      از غصہ غذا ئے خلق خون جگر است  
آسودہ ولی ز بند مردن ہم نیست      زیرا کہ خطرہ دران طرف یسار است  
(علہیہ قاریانی)

انسان کی دوروزہ زندگی خوف و خطر سے بھری نظر آتی ہے، اس کے

---

<sup>۱</sup> یہ مقالہ مقررہ علوم اسلامیہ جامعہ عثمانیہ میں پڑھا گیا اور پہلی مرتبہ حائف زوہیر رستمی میں شائع ہوا

قلب پر اس غوغا و جذبہ کا پورا تسلط دکھائی دیتا ہے، جب وہ بستر سے اٹھتا ہے تو لڑزائیں و ترسانا اٹھتا ہے، اور تمام دن کے غم و غصہ کے بعد جب وہ پھر بستر کی طرف لوٹتا ہے، تو بھی خائف و ہراساں ہوتا ہے، وہ ڈرتا کہ کس چیز سے ہے؟ کسی کو تو بیماری کا خوف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بیمار ہو جائے اور دنیوی کامیابی کی ساری توقعات سٹی میں بل جائیں، جب کسی عزیز یا دوست کی بیماری کی خبر سن لیتا ہے تو بے چین و پریشان ہو جاتا ہے، ڈرتا ہے کہ کہیں مر نہ جائے! کسی کو خوف ہے کہ وہ ساری دولت کھو کر فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائے، ضعف و ذلت کا شکار نہ ہو جائے، کسی کو اپنی عزت کی طرف سے خطرہ ہے، وہ حالات کو تشفی بخش نہیں پاتا، ڈرتا ہے کہ کہیں بہت جلد اس کو بے روزگاری کی صفی میں شریک ہونا نہ پڑے، بھڑوں کو محتاج نہ ہو جائے، روزی کا دروازہ بند ہو جائے، کوئی اپنی ذمہ داریوں سے گھبراتا ہے، یہ ناقابل برواشت نظر آرہی ہیں، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی توفیق زائل ہو رہی ہیں، اس کا دل میٹھا جا رہا ہے، اور وہ اپنے بلند مقام سے گر رہا ہے! کوئی ہے کہ اپنے ہم جنسوں سے ملنے سے گھبراتا ہے وہ ان سے گفتگو نہیں کر سکتا، خوف سے اس کی زبان سوکھی جا رہی ہے اور پسینوں میں ڈوب رہا ہے، کوئی خوف زدہ ہے، لیکن نہیں جانتا کہ کس چیز سے خوف زدہ ہے، اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے، خطرہ کا وہ نشین نہیں کر سکتا، لیکن خوف کی لہریں اس کے قلب میں اٹھ رہی ہیں اور وہ بڑی کی موت مر رہا ہے، عرق خوف کا جذبہ عالم گیر ہے ہر شخص

اس کا شکار ہے، کون ہے جس کو فکر نہیں، غم نہیں، خوف نہیں، شیخ  
 عماد الدین فضل اللہ نے جو بات غم کے متعلق کہی ہے وہ خوف کے متعلق بھی  
 صحیح معلوم ہوتی ہے، اور نفسیاتی طور پر غم نتیجہ ہے خوف کا۔

غم را برس و سراگز از غم نیست      یاران قدیم را شکست از ہم نیست  
 غم خوی من کرد و من خنئے بزم      بچوں من و غم دو یار در عالم نیست  
 کیا خوف سے نجات بھی ممکن ہے؟ کیا اس ظالم جذبہ کی مردانگن قوت کا  
 مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اس پر فتح حاصل کی جاسکتی ہے؟ کیا زندگی کے  
 چند روز طمانیت خاطر اور برد قلبی کے ساتھ بسر کئے جاسکتے ہیں؟ علمائے  
 نفسیات نے اس کا کیا علاج تجویز کیا ہے؟ حکماء نے کائنات کی کنز و  
 حقیقت پر غور کرنے کے بعد کیا اس کو خوفناک اور بے درد و بے رحم  
 قوتوں کا نتیجہ قرار دیا ہے؟ کیا کائنات انسان کے لئے ایک صلیب کے مانند  
 ہے جس پر بالآخر اس کو جان دینا ہے، خواہ پاروی اور بہمت کے ساتھ،  
 یا نامردی اور بزدلی کے ساتھ، لرزاں و ترساں؟ قرآن کریم خوف سے  
 کس حد تک نجات دیتا ہے؟

لا تخافوا هم و خافوا ان کنتم مؤمنین (پ ۱۶۴) کے کیا سنی ہیں  
 کیا کوئی مخلوق دوسروں کے لئے حقیقت میں نافع و مضار ہو سکتی ہے؟ اگر  
 نہیں تو پھر خوف کیوں؟ کیا یہ وہم کا نتیجہ نہیں، باطل علم کی پیداوار نہیں؟  
 کیا اس سے نجات علم کی تبصیح سے ہو سکتی ہے، اختصار کے ساتھ بمعنی انہی  
 اعتبارات پر یہاں بحث کرنی مقصود ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے خوف سے نجات اور ان زنجیروں سے رہائی جن سے خوف نے ہماری گردنیں باندھ رکھی ہیں، دو طریقوں سے ہو سکتی ہے، ایک طریقہ ذہنی ہے اور دوسرا خارجی، پہلا طریقہ علم کی تصحیح پر مشتمل ہے اور دوسرا علم صحیح کے استعمال پر۔

(۱) علم کی تصحیح: خوف سے زندگی گامی حاصل کرنے کے لئے تمہیں سب سے پہلے اپنے مابعد الطبیعی مسائل کا جائزہ لینا چاہیے، مذہب کی زبان میں یہ عقاید کہلاتے ہیں، ان کو عقل سے ثابت کرنے کی فلسفہ میں کوشش کی جاتی ہے اور مذہب میں ان پر محض "ایمان" لایا جاتا ہے اور برادر عقل سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ خلاف تجربہ اور خلاف وجدان نہیں ہوتے، یہ مذہبی زندگی کے دہی جذباتی حسی میلانات کی گہرائیوں میں اپنی جڑیں جمائے ہوئے ہوتے ہیں، تجربہ ان کی تائید کرتا ہے، وجدان ان کو اپنے ذوق کے مطابق پاتا ہے، عقل ان کی تردید نہیں کر سکتی۔

ایسا پہلا عقیدہ جس کو مان لینے کے بعد خوف سے قطعاً رہائی مل جاتی ہے حق تعالیٰ کا رحیم اور حکیم ہونا ہے فلسفانہ الفاظ میں یوں سمجھو کہ کائنات تمہاری دشمن نہیں دوست ہے، تم روحانی کائنات میں زندگی بسر کر رہے ہو روحانی قوانین کی تم پر حکمرانی ہے، یہ قوانین کو رائے نہیں، ان کی ایک غایت اور مقصد ہے اگر تم ان کی نوعیت کو سمجھ کر ان کے ساتھ توافق پیدا کر دے تو تم ان کو اپنا رفیق کار پاؤ گے اور نتیجہ طاعت اور تسکین قلبی ہوگا، اگر تم نادانی اور جہل سے ان کی خلاف ورزی کر دے تو نقصان تمہارا ہی ہوگا، خوف و غم میں مبتلا ہو گے

عزل و یاس سے نجات نہیں ملے گی اور اس کا باعث خود تمہارا جہل ہو گا اور جہل سے پیدا شدہ غلط عمل، یقین و ایمان کی شانہ و قدت سے فطعی طور پر ان لوگوں کو دینا اچھی چیز ہے، کیونکہ اس کا مبداء خیر ہے یہ مبداء حق تعالیٰ میں جو حکیم ہیں اور رحیم بھی! حق تعالیٰ خالق کائنات ہیں، جان کر کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں، حق ہے بجا ہے، برابر حکمت سے ملبوس ہے، باطل کا دھاوا کوئی تشابہ نہیں، ما ضلّم الله فهو خدیع

زیکو ہر چہ صادر گشت نیکو است!

جب تمہارا یہ عقیدہ راسخ ہو جائے گا تو جہت خیر تم پر سر بہن ہو جائیگی خیر کا جلوہ تمہیں ہر طرف نظر آنے لگے گا، کمالات پر تمہاری نظر جائے گی، دل میں اور نظر میں، اصر میں اور بصیرت میں حق جلّوہ افروز ہو گا، یعنی تمہاری طبیعت اور تمہاری فطرت بدل جائے گی، وہ عیب جو اور عیب میں نظر باقی نہ رہے گی جو ہر جگہ نقص کی تلاش کرتی ہے اور اس پر اعتراض کرتی ہے مستقیں کو خوف کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور واقعات کے وقوع کے پہلے ہی ان پر شر ہونے کا حکم لگاتی ہے اور وہی بھوتوں سے لرزتی اور کاشمیتی ہے! ایمان کی آنکھ سے دیکھو اور یقین کر لو کہ دل کی باتوں پر غور کرو کہ حق تعالیٰ رحیم ہیں کان بالمومنین وحیماً، ان کا قول ہے وہ مومن پر رحیم ہیں، وہ اس کے دوست ہیں، مددگار ہیں، سولی ہیں، نصیر ہیں، اللہ ولی الذین امنوا (پ ۲۷۲) جب حق تعالیٰ مومن کے ولی ہیں، اس پر رحیم ہیں تو پھر اس کو کس چیز سے خوف ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ کو اپنا ولی جان کر وہ

کس چیز سے ڈر سکتا؟ وہ تو حق تعالیٰ کے زیر پرورش ہو جاتا ہے، اور حق تعالیٰ اس کے ساتھ بے نشانِ رحمت پیش آتے ہیں، اس کے تمام معاملات کے کفیل ہوتے ہیں، وکیل ہوتے ہیں، جب یہ انداک سو من کے قلب میں قوی ہو جاتا ہے تو اب وہ یہ ایک حجت خوف و حزن سے آزاد ہو جاتا ہے، اور لا خوف علیہم ولا هم یحزنون کا مصداق بن جاتا ہے!

خوف کے وقت حق تعالیٰ کے رحیم و حکیم ہونے پر غور کرو، مضطرب قلب کو پریشانِ دماغ کو، مطلق حواس کو، کچھ دیر کے لئے اس نقطہ پر مرکوز کرو، یہی وہ نقطہ ہے جو انوار کا منبع ہے، قوتوں کا مرکز ہے، توانائیوں کا مبدو ہے اسی پر نظر جما کر تم خوف سے نجات حاصل کرو گے، تمہارا ضعف دور ہوگا، حزن رفع ہوگا، اسکون حاصل ہوگا، سرور حاصل ہوگا، طمانینت و تسکین قلبی نصیب ہوگی،

جب حق تعالیٰ حکیم و رحیم ہیں اور وہی جہاں دار ہیں تو ظاہر ہے کہ ۴ جہاندار داند جہاں کا شوق

اب مجھے کسی تجربہ سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

ہر چہ آن خسرو کند شیریں بود!

ہر واقعہ کی تخلیق اس ہمدردِ قوت سے ہو رہی ہے جو حکیم مطلق بھی ہے اور رحم و کرم مطلق بھی، اب زندگی کا کوئی واقعہ میرے لئے مضر نہیں ہو سکتا وہ بحیثیت مجموعی میرے لئے مفید ہے خیرِ برتر کے حصول کا ذریعہ یہ میرا جہل ہے کہ باوجود حق تعالیٰ کو رحیم اور ولی مان کر پھر یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ مجھے



نقصان پہنچا پا رہے ہیں، دریے آزار ہیں، جب تھوڑے سے غور و فکر کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ حق تلے رحیم ہیں، اور میرے حال کے علیم تو جمعیتِ تائید مجھے نصیب ہوتی ہے، اور خوف بالکل رفع ہو جاتا ہے! دوسرا اصول جس کے مان لینے کے بعد خوف قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے حق تعالیٰ کی معیت کا عقیدہ ہے، حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، جہاں کہیں ہم ہوں وہو معکم ایما کنتم رہا، جب مجھے اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہیں، مجھ سے بہت قریب ہیں، "قرب" ہیں۔ میری حفاظت فرما رہے ہیں، ان کی معیت کی وجہ سے میں تمام شر و گزند سے محفوظ ہوں، جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں، ان کے حفظ و امان میں ہوں، تو پھر خوف میرے قلب سے دور ہو جاتا ہے، اور سرور و اطمینان بلکہ ایک فوق دستی پیدا ہو جاتی ہے!

در پھر تو یوہ اعزہ و آزارم      از وصل تو رفتہ ہستی و پندارم  
شادی آمد و نصیب جانم شد      الود جان من خویش را بعت دارم  
جب بھی خوف کے حالات پیدا ہوں، واقعات خطرناک نظر آئیں، غم کے بادل قلب پر چھانے لگیں تو ہمیں اس امر کا احساس کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، وہ رحیم ہیں، قادر مطلق ہیں، ان کی معیت کی وجہ سے مجھے علوئے تمکین حاصل ہے، استعلا علون و اللہ معکم کا مصداق ہوں، ان کو رکھ کر مجھے کس چیز سے نقصان پہنچ سکتا ہے، ان کی معیت کی وجہ سے میں ہر شے سے بلند ہوں ان کو رکھ کر مجھے کسی شے کی نہ خواہش ہے اور نہ اس کے

نہ بننے کا غم، جب مجھے کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو، تو پھر شکرت خواہش کا  
 نہی احتمال نہیں اور اس کے نتیجہ و غم و خوف سے بھی آزاد ہوں!

لیکن غم و مصیبت و خوف کی حالت میں حق تعالیٰ کی معیت کا احساس  
 اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ہم راحت اور آسودگی، فراغت و اطمینان  
 کی حالت میں بھی حق تعالیٰ کی یافت و شہود سے غافل نہ رہے ہوں، ان  
 کی یاد سے ذہول نہ رہا ہوں اور کسی عارف کے یہ الفاظ ہمارے پیش نظر رہے ہوں  
 . تلمذ او میر گر تو زندہ خاک آں در باش غر تو بندہ

فدہ در د خدا در دل ترا بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

جب ہمارے دل میں حق تعالیٰ کا درد ہو، ان کی معبودیت و ربوبیت کا  
 اقرار ہو، اولت کا اظہار ان ہی کے سامنے ہو، دل و افتقار کی نسبت ان ہی  
 کے ساتھ وابستہ ہو تو پھر خوف اور پریشانی کے وقت ہمیں ان کی معیت کا  
 شدید احساس ہوتا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہی تو ہیں،  
 محسوس ہیں، غم غار ہیں، نصیر ہیں، وکیل ہیں، اسی طرح ہمارے قلب کی حفاظت  
 ہو جاتی ہے، سکینت و طمانینت پیدا ہوتی ہے اور خارجی حالات میں بھی خوشگوار  
 تئیر پیدا ہو جاتا ہے اور ہم تمام مصائب سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور حسرتوں  
 سے خوف سے رہائی مل جاتی ہے۔

اگر تم خوف سے بالکل رہائی کے خواہاں ہو، اس کی بیخ و بنیاد کو صحنِ دل  
 سے الگ کر پھینک دینا چاہتے ہو۔ ”جمیعت نامہ“ کے حوصلے کے خواہشمند ہو  
 تو فوراً اس بڑے عرفانِ نفس حاصل کرو، اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ،

اس عرفان کا آلہ محض عقل نظری نہیں، اس کے لئے اس عقل کی ضرورت ہے جو بقول اقبال "ادب خوردہ دِل" ہے، عقل نظری (قیاسات عقل یونانی) ہمیں خود شناسی میں زیادہ مدد نہیں دے سکتی، یہ زیادہ تر ادراک باطن کا نقشہ تمہاری نگاہوں کے سامنے پیش کرتی، اور پھر اس کو برکازئی ریشی ہے ہی اس کا محبوب مشغول ہے، یہ ہمیں لذت حضور سے محروم رکھتی ہے، کیونکہ خود اس کی تقدیر میں حضور نہیں،

انجام خود ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری  
(اقبال)

تمہیں اس جگہ اقبال کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیئے جو "پیر یوم" کی ہدایت کے مطابق تم سے کہہ رہے ہیں،

عقلیہ ہم رساں کہ ادب خوردہ دِل است

یہ عقل تمہیں اس وقت حاصل ہوگی جب شیخ بوعلی سنیا کی تحقیقات سے صرف نظر کر کے "سخن محمدی" سے دل بستگی پیدا کرو۔

دل در سخن محمدی بند اے پور علی زبوسلی چند

حکیم خاقانی در تحفۃ المرآتین

اب تمہیں اس عقل کے ذریعہ جو نور و جی کی ہدایت و رہبری میں قدم اٹھا رہی ہو، اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنی چاہیے، اس معرفت کے حصول کے بعد تم کو اپنی عبدیت کا علم ہو جائے گا کہ تم ذاتِ ربانیت کے لحاظ سے معلوم ہو جاؤ گے مخلوق ہو، غیر ذاتِ حق ہو، حق تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن میں۔

اول و آخر ہیں، تم کو محیط ہیں، تمہارے ساتھ ہیں، تم سے قریب و اقرب ہیں  
 تم حق تعالیٰ ہی کے وجود سے موجود ہو، ان ہی کی حیات سے زندہ ہو، ان  
 ہی کے علم سے جانتے ہو، ان ہی کی قدرت و ارادے سے قدرت و ارادہ  
 کا استعمال کرتے ہو، وجود اور تمام صفات وجود یہ تمہارے پاس امانت ہیں،  
 یہ تمہارے لئے احسان نہیں امانت ہیں، تم فقیر ہو اور امین، امانت کا استعمال  
 جب کائنات کے مقابلہ میں کرتے ہو تو خلیفہ اللہ کہلاتے ہو، اور جب  
 امانت کا استعمال حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتے ہو، تو ولی اللہ کہلاتے ہو  
 یہی چار اعتبارات ہیں، عبد اللہ کے فقر، امانت، خلافت، ولایت عبد اللہ  
 کے پاس اللہ ہیں، ان کی ہویت و انیت ہے، صفات و افعال  
 میں، ملک و حکومت ہیں، عبد اللہ کا قیام ذات اللہ میں ہوتا ہے ذات اللہ  
 میں خوف کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے، وہ تو سرور محض ہے، اس لئے عبد بھی  
 اللہ کی جہت سے اپنے اندر ناقابل بیان سرور محسوس کرتا ہے، علمائیت محض  
 و دوزخ خالص کا حزن بن جانا ہے، کیا خوب کہا ہے کسی عارف تمام  
 المعرفة نے یہ

چوں بیانستی کہ غفل کیستی      ند غی گمروئی و گرز لیستی  
 قطرہ نوری، مر با نور باشی      بگذراز غم دائما سرور باشی  
 (رومی)

۱۔ توضیح کے لئے دیکھو مصنف کی کتاب ”قرآن اور تفسیر“۔

انسان اپنی اس حقیقی جہت کو فراموش کر کے خوف و خزن میں مبتلا ہوتا ہے، یا پھر خوف و خزن اس کے قلب پر محیط اس لئے کہ وہ سرے سے اپنی حقیقت سے آگاہ ہی نہیں، اس لئے ہر درد و غم، ہر خوف و ہراس کا علاج خود اس کے ماتھے میں ہے اور وہ اس سے جاہل، اس سے زیادہ محرومی کیا ہو سکتی؟!

یک بد پر ناں ترافرق سر تو ہی جوئی لب نال در بدر!  
تا بزانوئے بیان قعر آب در غطش و زجئے گشت استی تراب

(ردی)

۴) علم صحیح کا استعمال۔ جب تم کو اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہو گیا، جب تم نے یہ جان لیا کہ حق تعالیٰ مومن کے ساتھ ہیں، اس سے قریب اور اقرب ہیں، اس کے ظاہر و باطن ہیں، جب تم کو یہ یقین ہو گیا کہ حق تعالیٰ مومن کے ولی ہیں، سولی و نصیر ہیں، اس پر رحیم ہیں، تو اب خوف کے وقت اپنے ایمان کی قوت سے کام لو، جرات کے ساتھ کہو کہ کائنات کی کوئی چیز تم کو خوف زدہ نہیں کر سکتی، اپنے خوف زندہ نفس کو مخاطب کر کے کہو،

الیس اللہ بکاف عبده کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں

و عنونک بالذین من کیا تجھ کو یہ لوگ ان سے ڈراتے ہیں

دونہ (پ ۲۴، ۱۷) جودا کے اسواہیں؟ (ڈورٹ)

ہمیں اپنے سخت الشور نفس کے ساتھ پتلی کا سا بڑاؤ کرنا چاہیے، دیکھو پتہ اندھیری رات میں جاگ پڑتا ہے، اور ڈر کر رونے لگتا ہے، تم اس سے

کہتے ہو وہ درست یہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے تم کو ڈر ہو، خوف کی چیزیں صرف تمہارے خیال میں ہیں، کوسے میں نہیں، اس طرح خوف کی بنی کرنے کے بعد تمہیں ان چیزوں کا اثبات کرنا چاہیئے جو سچ ہیں، مثلاً تم کہو گے میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے بازو وہی میں تو ہوں، کیا مجال کہ کوئی چیز تم کو چھو سکے، اس طرح اطمینان دلانے کے بعد کہ تم پاس ہی ہو، اور اس کو تمہاری قوت پر یہ یقین ہونے کی وجہ سے کہ تم اس کی حفاظت کرنے کے قابل ہو، بچہ پھر بے فکر سی کی نیند سو رہتا ہے !

یہی طریقہ تم کو اپنے تحت الشوری نفس کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے پہلے خوف کے اسباب کی نفی کرنی چاہیئے، جرات و بہمت کے ساتھ اس کو یقین دلانا چاہیئے کہ ساری دنیا میں خدا کے سوا تمہیں کوئی چیز ڈرا نہیں سکتی، تم جانتے ہو کہ یہ سچی نہیں، واقعہ ہے، حقیقت کے عین مطابق ہے، مومن جس پر حق تعالیٰ رحیم ہیں، جس کے ساتھ وہ ہیں، جس کی نصرت کا وہ اپنے اوپر حق سمجھتے نہیں، حقاً علیہما فی المومنین۔ جس پر وہ شراؤں سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، ایسا مومن کائنات میں سوائے حق تعالیٰ کے کس چیز سے ڈر سکتا ہے اور ڈر کر مومن رہ سکیسے سکتا ہے؟ دیکھو ساری اشیاء مخلوق میں، اربوب ہیں، محکوم ہیں، ملوک ہیں، حبیب تک، خالق و حاکم، مالک و رب نہ چاہے، یہ ہمیں نقصان کیسے پہنچا سکتی ہیں؟ حکم اللہ ہی کا چلتا ہے، احکم لکم، متصرف فی الامر حق تعالیٰ ہی ہیں، ان ہی کے قبضہ قدرت میں تمام عبادتوں کی پٹیاں کے بال ہیں، ما من دابة الا هو احذ بنا صیغہ ڈرنا نہیں، ان ہی کے

جلال سے چاہیے نافع وہ ہیں اور عثار وہ، منزہ وہ ہیں اور ندل وہ، اور ساراع لم  
فقیر اور محتاج، نہ نفع کی قوت رکھتا ہے اور نہ ضرر کی، اسی لئے حضور انور  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ولو جهد العباد ان ينفكوك بشئ لم يقضه الله لك  
لم يقدروا عليه ولو جهد العباد ان يضروك بشئ لم يقضه  
الله عليك لم يقدروا له

اگر سب بندے مل کر کوشش کریں کہ مجھے اس چیز سے نفع پہنچائیں جو  
اللہ نے میرے لئے مقدر نہیں کی، تو وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ پائیں گے اور  
اگر سب بندے مل کر مجھے کسی چیز سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں جو اللہ  
نے میرے لئے مقدر نہیں کی، تو وہ اس پر قدرت نہ پائیں گے۔

اس صداقت پر پورا یقین رکھ کر اپنے نفس سے کہو کہ مجھے قطعاً کسی چیز  
سے ڈرنا نہیں چاہیے! اور زندگی کا یہ عجب قانون ہے کہ جوں ہی خوف  
قلب سے دور ہوا، اب دنیا کی کوئی چیز ہمیں گزند نہیں پہنچا سکتی، حضرت  
دانیالؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں شیروں کے غلہ میں ڈال دیا گیا۔ لیکن

---

۱۔ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور جبکہ حضرت عونؓ الانعم  
یشیع عبدالعقل جیلانی رحمہ فروع العین مقالہ ۴۲ میں پیش فرماتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ ہر مومن کو  
چاہیے کہ اس حدیث کی اپنے دل سے تکرار کرتا رہے تاکہ دنیا و آخرت میں تمام آفات سے محفوظ رہو

اور رحمت سے دونوں جہاں میں عزت پائے۔

شیردوں نے انہیں چھوٹا تک نہیں، اس کی نفسیاتی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت  
 دانیالؑ کا حق تعالیٰ پر اتنا اعتماد تھا کہ خوف ان کے سینہ میں مطلق نہ تھا، اور  
 اسی وجہ سے شیر انہیں چھو نہ سکے، یہ تو ہم سمجھ جانتے ہیں کہ کتنا جو خوف زدہ  
 شخص پر حملہ کر دیتا ہے، اس شخص کے قریب بھی نہیں آتا جو بالکل بے خوف  
 ہوتا ہے یہ چونسیا سی جنگلوں میں جا بیٹھتے ہیں، جہاں ہر قسم کے موذی اور  
 درندہ جانور بھی موجود ہوتے ہیں، کیسے محفوظ رہتے ہیں، ان کی بے خوفی  
 ان کے لئے سب سے بڑی حفاظت کا کام دیتی ہے، جو شخص حق تعالیٰ کو  
 محافظ سمجھتا ہے، وہ بے خوف ہوتا ہے، کامل بے خوفی نتیجہ ہے ایمانِ راسخ کا  
 نفی کے بعد اثبات، یعنی نفس کو یہ یقین دلانے کے بعد کہ خوف کی کوئی  
 وجہ نہیں، اب ہمیں حق تعالیٰ کی معیت، احاطت، قرب و اقربیت کا ادراک  
 کرنا چاہیے، جس طرح کہ چھوٹے بچے کو ہم نے اپنی موجودگی کا یقین دلایا  
 تھا، اسی طرح نفس کو حق تعالیٰ کے حضور و معیت کا یقین دلانا ضروری ہے۔  
 جب وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات میں ہے۔  
 وہ حق تعالیٰ کے نور میں منکشف ہے، اس کے واسطے بائیں اور نیچے آگے  
 پیچھے حق تعالیٰ کا نور ہے، وہ نور کے قلعہ میں محصور ہے، محفوظ ہے، تو پھر  
 خوف کا سایہ اس کے قلب سے اٹھ جاتا ہے، عظمتِ نور کی موجودگی میں  
 کیسے ٹھیکر سکتی ہے؟ سرور و عظمتِ حقیقی کا لغو اس کی رگ و پے میں ہونے  
 لگتا ہے، وہ قطرہ نور بن جاتا ہے، سراپا نور ہو جاتا ہے، اور سرستِ دائمی  
 سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔



اس مقصود کے حصول کے لئے تمہیں بعض انہی وادبی صداقتوں کا دہرانا  
 پڑی ہو گا، جب خوف دہر اس کی لہریں تمہارے قلب میں قیامت خیزی  
 لڑ رہی ہوں اور وہ بیجا جارہا ہو، اور تمہاری نظریں دنیا تاریک ہو رہی ہو تو  
 تمہیں نیچہ جانا چاہئے، اور آہستہ سے لیکن استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ  
 بحیرت حق کا اور اک کرتے ہوئے، ان صداقت بھرے الفاظ کی تکرار کرنی  
 چاہئے،

حسبى الله نعم الوكيل نعم  
 المحولى ونعم النصير  
 مجھے اللہ کافی ہے، اور وہ کیا خوب  
 کار ساز ہے، کیا خوب مولى ہے لہ

کیا خوب مددگار ہے۔

ان کی تکرار سے ہماری بصیرت کی آنکھیں کھلتی ہیں، ہمیں حق تعالیٰ کی کفایت کا  
 یقین ہوتا ہے، اور اسی یقین کی وجہ سے ہمیں خوف سے نجات ملتی ہے،  
 آزادی نصیب ہوتی ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ جب حنفور نور صلعم کو کوئی مشکل پیش آتی، فکر کا  
 بار قلب اور پر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر فرماتے،  
 یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

دو دہرے دل سے الغیث کی یہ پکار نکلی کہ جی القیوم کی رحمت نے قلب کو  
 سینھا لایا، اور اس کی حفاظت کے سالان فرما ہم کر دیئے!

یاد رکھو کہ خوف طاری ہوتا ہے خوف پیدا کرنے والے خیال کو قبول کر لینے  
 کی وجہ سے اس خیال کا مقابلہ ذہن کی اس سطح پر نہ کر کرنا ناممکن ہے جس

سطح پر خوف کی موجیں اٹھ رہی ہیں، گو شمس اس بات کی کرنی چاہئے کہ قلب اس سطح سے بلند ہو جائے اور بالاتر سطح پر قدم جمائے دیکھو سمندر کا طوفان اسی وقت ناکا باعث ہوتا ہے جب ہم اس کی تباہ کن موجوں میں گھر جاتے ہیں لیکن اگر ہم کسی بلند پہاڑی پر چڑھ جائیں، تو پھر ان ہلا فیز موجوں کے شر و شور سے ہمیں نجات مل جاتی ہے، کیونکہ اب ہم ان کے نیچے سے باہر ہیں بالکل اسی طرح جب ہم خوف کی حالت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو ہمارا قلب خوف کی سطح سے بلند ہو جاتا ہے، اور اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سکون ہی سکون ہے، شانتی ہی شانتی، سکھ ہی سکھ !

یاد رکھو قرآن کریم کی تعلیم کی روش سے ہمارے سارے دردوں کی دوا حق تعالیٰ کی محبت ہے، غیر اللہ سے بیزاری ہے، دردِ عالم خوف و ہراس کے وقت اپنے رخ کو حق تعالیٰ کی طرف اخصاص کے ساتھ پھیر دو، اور عجز کے ساتھ ان کے قدموں پر پڑ جاؤ، اور پھر تمہارا کام بن نہ جائے تو شکایت کرنا۔  
 در حضرت دادوستی یکدل کن      ہر چیز کہ غیر راست آزاید کن  
 یک صبح با اخصاص بیار و در من      گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن !  
 (ابوسعید مہندی)

## علاج حُزن

بے غلش نازیتین نازیتین      باید آتش در تیر پا زیتین  
زیتین این گوند تقدیر خودی است      از ہمیں تقدیر تعمیر خودی است

(اقبال ۲۰)

ابتلا یا آزمائش انسان کی تقدیر ہے، اور ابتلا ہوتی ہے زندگی کی محبوب  
و مرغوب چیزوں کے روک بٹنے یا فنا کر دینے سے، ان پر آفات کے  
نزول سے، ان کے حصول میں مشکلات کے پیدا ہونے سے، غلش سے، درد و  
غم سے، رنج و الم سے، قلب کے تار ٹوٹنے سے، یا زیادہ جامع الفاظ میں  
یوں کہ خوف سے، ہوک سے، جان و مال و ثرات کے نقص و کمی سے اور  
ابتلا کا مقصد سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، خودی کی نمٹگی ہوتی ہے، حیات کی  
زیادتی ہوتی ہے، موت کی تویر ہوتی ہے، انماص و عام رحمتوں اور راحتوں کا  
نزول ہوتا ہے، اور جو شخص ابتلا سے بھاگتا ہے، وہ ایک لٹی و دُجُوبی

۱۔ یہ مقالہ بحوالہ کتب خانہ فرانس، حیدرآباد، زیر نگرانی ہے۔ احقر نظام آباد، دکن میں سنایا گیا۔

قانون کی ہمہ گیر قوت سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور نادانستہ طریقہ پر اپنا ہی نقصان چاہتا ہے، اپنی خودی کی تکمیل و تعمیر نہیں چاہتا، حیات پر قوت کی کوفیر نہیں چاہتا، وہ بھول جاتا ہے کہ

دوام باز سوزِ ناقصام است      چو باہی جز نپیش بر محاسنم است  
محو ساحل کہ در آغوشِ ساحل      پتید یک دم در گدومام است  
(اقبال)

اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم آپ کو کچھ دیر کے لئے فکر و نظر کی دعوت دیتے ہیں اور کائنات و فطرتِ انسانی کے چند کلی و ضروری قوانین کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتے ہیں، رع  
یک تنقیہ دماغ می باید کرد !

انسان! امتیاز کا دوسرا نام ہے، انسان کی عضویت کی تحدید و تقييد  
ہی سے امتیاز پیدا ہوتی ہے، یعنی اس کی فطرت ہی میں امتیاز ہے، وہ  
حاجت مند ہے، فقیر ہے اور درویشیہ ہے اسی فقر و امتیاز کا، اور فطری  
طور پر وہ اس درو کی دوا چاہتا ہے،

عالم ہمہ در دست و دوا می خواہد      از خزان کرم برگ و نوا می خواہد  
کس بے حاجت نمی تواند میدان      درویش غذا شہ اشتہا می خواہد  
(سحابی استر آملادی)

اب اس عالم اسباب و علل میں جس کی تشبیہ انگارہ سے دی جاسکتی ہے  
مجاہدہ اور عمل ہی سے امتیاز و فقر اور درو و غم بڑی حد تک دور کئے جاسکتے ہیں

جوانی بنیاد و اساس کے طور پر علم میح کو فرض کرتا ہے، مجاہدہ بغیر علم میح کے ممکن نہیں، اور علم میح عمل سے عیسیدہ ہو کر نافع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم انہیں دو پہلوؤں کو یہاں اختصار کے ساتھ پیش کر کے اپنے دعویٰ کی تائید کریں گے۔

یاد رکھو کہ انسان کی زندگی اس معنی میں ہمیشہ خطرناک زندگی ہے کہ درود و غم، سوز و الم اس کی ماہیت میں داخل ہیں، کائنات کے اندرونی اسرار سے جو لوگ واقفیت رکھتے ہیں، ان کا ایقان ہے کہ کائنات کا مبدو حق تعالیٰ ہیں جو حکمت و خیر کے اعتبار سے مطلق و لامحدود ہیں، وہی اس کائنات پر حکمران ہیں، حکم ان ہی کا چلتا ہے، سببیت ان ہی نافذ ہو رہی ہے، لہذا یہ کائنات منظر ہے خیر و حکمت کا، پھر درود و غم جو انسان کی زندگی کا ساتھ نہیں چھڑتے اور ہر رنگ میں انسان جو مبتلا رہتا ہے اس میں کوئی حکمت ہے، اور خیر کا کونسا نمایاں پہلو ہے، ان ہی واقفانِ راز کا بیان ہے کہ اہل ذکر یا مشاہدہ پر اس کی حکمت مبرہن ہے اس کی توفیق تین قوانین کی شکل میں پیش کی جاسکتی ہے،

(۱) درود و غم، سوز و الم نتیجہ ہے، جرم و معصیت کا، گناہ و بدکرداری کا ذائب اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے افعال و اعمال کا، اسس راز کو قرآن حکیم نے اس آیت میں پیش کیا ہے،

وما اصابکم من مصیبة الا بکم ذنبا  
تم کو جو کچھ مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے ہی ناتعلی کے ہوئے کاروں سے ہے

عن کثیر - پ ۲۵ ع ۵) اور بہت سے خود گزر رہی کر دیا ہے۔

اسی راز کو کسی اور جگہ زیادہ واضح الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا گیا ہے ،

اولما اصابکم مصیبة قد اور میں وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی

اصبتم مثیلاً قلتم انی هذا کہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے ہو۔ تو

قل هو من عند انفسکم۔ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی۔ آپ فرما

دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو خدا کی طرف سے پہنچی۔ (پ ۲۷ ع ۱۵)

صاحب کتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا کہ

اتماہی اعمالکم ترد علیکم۔ یہ تمہارے ہی اعمال میں جو تم پر ٹوٹائے جاتے ہیں

قرآن و خبر سے اس راز کو معلوم کر کے حکماء و صوفیائے اسلام نے یہ اصول

قرار دے لیا ہے کہ

ان جمیع الوجود یقابلكم بحسب ما بذر منكم من الاعمال

فانظروا کیف تكدون ، فان الظل تابع للشاخص في العود والاستقامة

(شیخ ابوالخوار)

یعنی جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں وہ جیسے ہی بدلہ بھی دیا جاتا ہے اسی

رہے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا ، کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے ، اگر

کوئی شے ٹیڑھی ہے تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا ، اور اگر سیدھی ہے تو سایہ بھی

لہ انما ہی اعمالکم احصیہا علیکم فمن وجد خیرا فیمجد الله ومن

وجد غیرہا فلا یلو من الا نفسه ۔

سیدھا ہو گا جس نے توقع کی کہ ٹیڑھی شے کا سایہ سیدھا ہو تو اس نے محال کی  
 تمنائی من طلب استقامة انظر مع عوج انشاخص فقد رام المحال  
 اس لئے یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ یہ جو سوز و غم تمہارے قلب کو کھائے جا رہا  
 ہے، یہ نتیجہ ہے تمہارے اعمال کا، مثلاً جب تم کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ تم کو  
 ناحق آزار پہنچا رہا ہے، اے وجہ تکلیف دے رہا ہے اور دوستی سنار رہا ہے۔  
 تو ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا تم نے بھی اسی قسم کی حرکت کسی معصوم و مظلوم کے  
 ساتھ نہیں کی تھی، جس نے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی؟ ممکن ہے کہ  
 فوراً یاد نہ آئے، لیکن تحت الشور نفس کی گہرائیوں میں یہ واقعہ ضرور مسدود  
 ہے وہ ایک روز تمہارے غور و فکر کرنے پر ظاہر و باہر ہو جائے گا، ہر حادثہ  
 اور مصیبت کے وقت اسی قسم کی سوچ بچار سے کام لیا جائے اور دیانت  
 فکری کو ماتحت سے نہ دیا جائے تو آدمی بالآخر اس امر کا قائل ہو جاتا ہے،  
 کہ اللہ علیہ السلام کا حکم طاعت مجھ پر ہے، میرے دشمنوں پر نہیں، کیونکہ  
 حقیقی معنی میں میرا دشمن کوئی نہیں، میں ہی اپنی ذات کا بڑا دشمن ہوں، دوسرے  
 دشمن، میرے ہی طبیعت کے پیدا کردہ ہیں، ۴

نادۃ طبع من اند آنا نگہ خصلان من اند

(خاقانی)

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جان و دل سے تصدیق  
 کرنے لگے گا کہ اعدای عدول نفسك التی بین حبنک تیرا سب سے  
 بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے! درود

دالم تیرے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ یدک کسبتا د فوک نفخ۔<sup>۱</sup>

جو مصیبت و آفت، درد و غم، گناہوں کی عاقبت کے طور پر وارد ہوتے ہیں، ان کی پہچان بس یہی ہے کہ انسان نزولِ بلا پر صبر نہیں کرتا، اپنی جیسی بے بس و بیکس ہستیوں کی طرف اپیل کرتا ہے جسے و فزع کرتا ہو، شکا بیڑوں کا دفتر کھول دیتا ہے، مقام شکوے میں داخل ہو جاتا ہے اور مقام صبر سے خارج ہو جاتا ہے، مصیبت کے دفع کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح کی جانب توجہ کرے، اپنے نفس کا تزکیہ کرے، قلب کا تصفیہ کرے، اپنے سر کا ادنام باطلہ سے تخلیہ کرے، خیر کی جانب لوٹے، نور کی طرف پیشے ظلمتوں سے نکل جائے، غم دالم کی تاریکیاں خود بخود دور ہو جائیں گی اور راحت و مسرت کا نور اس کی رگ و پے میں سرایت کرنے لگے گا۔

درد و غم وہ اشارات ہیں جو انسان کو اس کے اعمال کی جانب متوجہ کرتے ہیں، یہ خیر کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ ان کا وجود اس پر اسرار کائنات میں۔ بے معنی نہیں، شر محض نہیں۔ یہ خیر کے تحقق کا زبردست آلہ ہیں، خیر کی منزل تک لے جانے کا نہایت قوی ذریعہ ہیں، یہ جرائم و معاصی کی ظلمتوں کو رفع کرنے میں نور کا کام دیتے ہیں، ایک نقطہ میں یوں کہو کہ یہ خام کو پختہ بنانے کے لئے ضروری ہیں، اقبالؒ نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے،

جہاں ماکہ جزا نگارہٴ مدینت      اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سونانِ قضا ہوار گردو      بنور این بیکر گل نامقام است



سوا بن قضا پیکر خاکی کے نقص و تحدید کو، کجی و خامی کو، غم و الم کے انگارہ سے دُور کرتا جاتا ہے، اور اس کو کمال کی طرف کھینچ لانا ہے!

(۷) بعض دفعہ درد و الم، سوز و غم، سحاصی و جرائم کی عقوبت کے طور پر نہیں عائد کئے جاتے، مقصود محض سزا دینا نہیں ہوتا، بلکہ تطہیر ہوتی ہے، تکفیر و تمیص ہوتی ہے، شہوتوں و لذتوں کے اتباع سے نفس میں تاریکی پیدا ہوتی ہے، اور اس تاریکی کی مخالفتوں سے قلب مردہ ہو جاتا ہے، درد و غم، سوز و الم نفس سے غلٹوں کو دفع کرتے ہیں، مردہ قلب کو جلاتے جگاتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف اس کا رخ پھیرتے ہیں، جو نور مطلق میں، وہ ان کی طرف رخ کر کے نورانی ہو جاتا ہے، اور گناہوں کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، بلاؤں اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جاتا ہے۔ شہوتوں اور لذتوں سے ٹوٹ کر ان سے جڑ جاتا ہے، رابطہ قائم کر لیتا ہے، غم سے زیادہ سوز و تکفیر کے لئے کوئی اور شے نہیں، اور بلا آتی ہے اسی تطہیر کی خاطر۔ ع

ایں بلائے دورست تطہیر شفا است (روحی)

اسی مقصود کے پیش نظر عارف موم درد و غم (نفس) سے رنجیدہ نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں، اور اس کو سالک کے لئے مفید قرار دیتے ہیں۔

چونکہ تمہیں آمدن درد کے لبط میں تازہ باش و چین سیٹھیں برہیں  
چونکہ قبضے آیت اے راہ رو آج صلاح تحت آیس دلی مشر  
اس خیال سے مہینا ئے کرام نے بلا و مصیبت کو حق تعالیٰ کے

انعامات سے بہتر قرار دیا ہے، 'آلام محبوب یہ از انعام محبوب'، بلا ہی عطا ہے  
 اور عطا پر غم کیسے بلا از دوست عطا است وار عطا نالیدن خطا است،  
 کے ز آزار تو بیزار شود صاحبِ حسین زخم چوں از تو رسد باہمہ آزار عیشیم  
 (منصور حلاج)

بلا وہ غم جب تکفیر و تمیص کے لئے آتے ہیں تو اس کی صاف علامت یہی  
 ہے کہ مبتلا ہنوع و فزع نہیں کرتا، صبر جمیل سے کام لیتا ہے، دوستوں اور  
 ہمسایوں کے سامنے اپنی مصیبت کو پیش کر کے شکوہ و شکایت نہیں کرتا، صبر  
 کر کے بے حساب اجر کا امیدوار رہتا ہے۔

(۳) اور بعض دفعہ بلا و مصیبت محض تطہیر و تکفیر کے لئے بھی نہیں آتی  
 بلکہ ارتقا و درجات اور بلوغ منازلِ عالیات اس کا مقصد ہوتا ہے، یہ  
 قانونِ اہل اللہ کے متعلق ہے، جنہوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہے، جن  
 کے تدبیر پاک و معقنی ہیں، جنہیں ربط بحق قائم ہے، دیکھا جاتا ہے کہ کثرت  
 سے بلائیں ان ہی پر نازل ہوتی ہیں، چنانچہ البلاء للولا، بلا دوستوں کے  
 لئے ہوتی ہے، مشہور خاص و عام یہی ہے، اس قانون کو راز دانِ حقیقت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے،

اذا احب اللہ عبد البلاء فان صبرا اجتبا کا وان رضی اصطفا کا

یعنی جب حق تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو مصیبت میں مبتلا  
 کرتے ہیں، اگر وہ صبر کرے تو اپنا پسندیدہ بنا لیتے ہیں، اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ  
 قرار دے لیتے ہیں، اسی لئے حضرت معروفؒ فرمایا کرتے تھے،

لیس بصادق فی دعواه من      جو اپنے مولا کی مار سے لذت نہیں لیتا  
 لم یلذذ بضرع مولاہ -      وہ سچا غلام ہی نہیں -  
 اس مفہوم کو کسی عاشق نے ان سرے نفوس میں ادا کیا ہے -  
 جاں طلب آدم زور و کرم از دو طلب      گفت اگر تو عاشق صبر کن درضا طلب  
 یار وے کہ بر سرست تیغ زند تو دم سزن      سر بھڑائے یار کن پیچ ز خو بہا طلب  
 محوئے سراو یار شو تا شود او بکارم تو!

قابل الثقات ینت عاشق مدعا طلب

انسان کی فطرت کے انقصاعات و قابلیتات کا جن کو حکیمانہ مسلم حاصل ہے وہ اس راز کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ منازل عالیہ تک رسائی کے لئے درود غم لا بدی و لازمی ہے، تعقید جو انسان کی فطرت ہے، طلاق کے کسی درجہ کی تحمل نہیں ہو سکتی، اور دالم ہی سے رفتہ رفتہ اعنافی اطلاقیات پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اطلاقیات کیا ہے، نفس کی تحدیثات سے رنائی ہے، ذمائم اخلاقیہ تحدید ہی کا نتیجہ ہے، صفات حسنہ کا پیدا کرنا مشقتوں کا ریوانت کرنا ہے، تحمل مشاق موجب الم ہوتا ہے، لیکن ایک دفعہ جب صفات حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں، تو انسان ترقی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور ہزاروں غموں سے نجات پاتا ہے، گو درود غم کو وہ فطرتاً مکروہ سمجھتا ہے لیکن نتائج سے واقف ہونے کے بعد وہ حق تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق کرنے لگتا ہے کہ:-

عسیٰ ان تکرهوا شیئاً      یعنی شاید تم کسی چیز کو برا مانو اور اسے قائل

و يجعل الله فيه خيرا كثيرا اس میں غیر کثیر رکھی ہو۔

اولیاء پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں وہ ان کے درجات کے ارتقاء کے لئے ہوتی ہیں، حق تعالیٰ انہیں اپنا قرب عطا کرتے ہیں، فقر و نیستی میں انہیں مبتلا کرتے ہیں، درد و حزن ان پر طاری کرتے ہیں، ان سے ارشاد ہوتا ہے کہ اللبلاء کنز من كنوز الجنة لا يعطى الا بادلها۔

عشاقِ بلا کی اہمیت و قیمت سے واقف ہوتے ہیں مستانہ دار وہ اس کے طالب ہوتے ہیں کہ

درد و قدح درد کہ آں می یابد دردیکہ زلفت بیشتر مے باید  
تغنتِ عجب یک بے خوشنوار است ہر چند ہی خورم دگر مے باید  
کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر تسکین دیتے ہیں:-

بفقر و نیستی یک دور روزہ خوش نمی باش

کہ یار خود ز کرم عذر خواہ مے گردا

ان کے نزدیک جان کے مقابلہ میں تن کی زیادہ قدر نہیں اور جان کی قدر پر گزشتہ جہانوں کی دھڑ سے ہے، تن اگر تکلیف میں ہو، لیکن جان جہانوں کے مطابق ہو اور اس کے جمال سے کیف اندوز، تو پھر تن کی تکلیف کی کیا شکایت اسی لئے بلا میں یہ عوام کا لانعام کے خلاف۔

۱۱) کسی غیر کے آگے شاکہ نہیں ہونے اور اپنی تنگ دلی کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہم لن یغفروا عنک من اللہ شیدا  
بشم کشان محبت دم از فغان بستند گرہ ز جہ کشاوند و بر زبان بستند

(۱۲) اپنے باطن میں اتہام اپنے رب پر نہیں رکھتے، اس کی حکمتِ بابت میں انہیں کوئی شک نہیں ہوتا، وہ حق تعالیٰ سے یہ خطاب سنتے ہیں،

بادر دلباز چوں دوائے تو منم در کس منکر کاشنائے تو منم  
گر بر سر کوئے عشق ماکشتہ شوی شکرانہ بدہ کہ خون بہائے تو منم  
(۱۳) انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو بات ان کے لئے

اختیار کی ہے وہی ان کے لئے دین و دنیا میں اچھی ہے، ع

صلاح ماہمہ آنت کاں ترا است صلاح

حدیثِ اولیٰ میں اس آخری کلمہ کی پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ تو نگری یا غنا کے سوا کوئی چیز اس کو صلح نہیں کر سکتی اگر میں اس کو فقیر کر دوں تو یہ فقر اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو فقیری و درویشی کے سوا کوئی چیز نیک نہیں بنا سکتی، اگر میں اس کو غنی کر دوں تو غنا اس کے ایمان کو فاسد کر دے، اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو صحت و تندرستی کے سوا کوئی چیز درست نہیں رکھ سکتی، اگر میں اس کو بیمار کر دوں تو وہ بیماری اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے کہ بیماری کے سوا کوئی چیز اس کے ایمان کو درست نہیں رکھ سکتی اگر میں اس کو تندرست رکھوں تو یہ تندرستی اس کے ایمان کو فاسد کر دے مجھے اپنے بندوں کے احوال سے پوری آگاہی ہے اور میں ان کے مطابق اپنا کام کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ کی ان ہی ملکوں سے واقف ہو کر عشاق ان کی حسن تدبیر،  
 قضا و اختیار سے راضی اور مطمئن رہتے ہیں اور ہر حال میں رضا بالعطاء  
 اور حفظ حال ضروری سمجھتے ہیں، اور قلب کی گہرائیوں سے ع  
 ہرچہ ازد و دست می رسد نیکوست

کے قابل ہوتے ہیں، اسی لئے گودہ ”طبی“ غم و اندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں  
 لیکن ”عقلی سرور“ سے ادن کے قلب خالی نہیں ہوتے یہ ہے ”جمع بین الافعاد“  
 اور ”مضعل کی جمع کا یہ ہنر“ ان ہی کو آتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ؟  
 غرض طبی حزن و غم کے لحاظ سے کلیہ یہ ہے کہ ع  
 عالم بہ درو است و دوا می خواہد

یہ درو یا لگتا ہوں اور بہ کرداروں کا نتیجہ ہے، یا تطہیر و تکفیر کے لئے  
 وارد ہوتا ہے، یا رفع درجات کے واسطے عاید کیا جاتا ہے، بہر حال،  
 لقد خلقنا الانسان فی کبد ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں  
 پیدا کیا۔ (پ ۵۸ ع ۲)

کے کلی قانون کا کوئی استثناء نہیں دکھائی دیتا، انسان کی ساری عمر محنت اور  
 دکھ، غم و اندوہ میں گزرتی ہے، سوز و الم میں بسر ہوتی ہے، وہ ایک سوز  
 بیقرار کے مانند ہے، جس کی مابہت ہی میں پہنچ و تاب ہے، اچانچہ اقبال  
 نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے،

چہرہ سی از کجا یم چہیتم من؟ بخود پیچیدہ ام؟ باز بستم من  
 دریں دریا چہ سوزج بقیہ سرم اگر بخود نہ پیچم نیستم من

لیکن جیسا کہ اوپر واضح ہوا اور دو غم سوز دالم بے معنی نہیں، بلینیر مقصد و غایت کے نہیں، اس کا مقصد خودی کی تعمیر ہے، قوت حیات کی توفیر ہے، اسی مقصد کو پیش نظر رکھنے سے انسان کو طبعی درد کی حالت میں بھی عقلی سرور حاصل ہو سکتا ہے، یعنی اس کو اپنی جہت سے غم ہی غم ہے، لیکن حق تعالیٰ کی جہت سے سرور ہی سرور اسی نکتہ کو سمجھ کر عارفِ رمی نے فرمایا تھا:

چوں بیدارستی کہ غلبہ کیستی	فارغی گر مرد می و گرز لیستی
قطرہ نری سرا پا در باش	بگذرا ز غم دامننا سرور باش
خافہم و تند باد!	



## عللِ حُزن

(سلسلہ)

یہ مقالہ حیدر آباد یو کیشنل کانفرنس کے بارہویں اجلاس منعقد  
میں پڑھا گیا تھا

اگر غم راجہ آتش دودھ بولے جہاں تاریک بودے جاودانہ  
دریں گیتی سرا سر گر بہ گردی خردمندے نیلانی شادمانہ  
(شہید بلخی)

غم نتیجہ ہے احتیاج کا اور انسان سزا پا احتیاج ہے، لہذا انسان غم کا  
پتلا ہے۔ لہذا خلقنا الانسان فی کبد، رفع احتیاج ہی کے لئے وہ شب  
درد و حیران و سرگردان رہتا ہے، تمام اسباب و علل کو کلمہ میں لاتا ہے،  
درد کی دوا چاہتا ہے، احتیاج کا سلسلہ لا متناہی ہوتا ہے، ایک احتیاج

۱۰ عارف میں منوان "زندگی میں غم کیوں ہے" کے عنوان سے جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا



تشفی ہوتی ہے تو دوسری پیدا ہو جاتی ہیں، اور غم دالم برابر جاری رہتا ہے، لہذا کلیہ یہ قرار پاتا ہے :-

عالم ہمہ در دست و دعا می خوابد      از خزان کرم برگ و نوامی خوابد  
کس بے حاجت نمی تواند دیدن      درویش غذاش اشتہا می خوابد  
(سماجی استرآبادی)

اس کلیہ کا استثناء الشاذ کا معدوم کا حکم رکھتا ہے جس کسی سے پوچھے ”سلمان دل چہیت؟“ جواب ملے گا، درون سینہ سوزے وقفے ”اگر پوچھا جائے ”تن چہیت؟“ کہے گا: ”غم و رنج و بلا راہ نے“ کسی اور سوال کا انتظار کئے بغیر خود کہ اٹھے گا، الغصہ بہ قصد جان مالبتہ صفے مرگ از طرفے و زندگی از طرفے“

دل چہیت؟ مدوں سینہ سوزے وقفے      تن چہیت؟ الم و رنج و بلا راہ نے  
الغصہ بہ قصد جان مالبتہ صفے      مرگ از طرفے و زندگی از طرفے

(سومن یزدی)

مرض غم ہمہ گیر ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، لیکن یہ کلیہ بھی سلسلہ ہے کہ ہر مرض کا علاج ہے، غم کا علاج مذہب اور فلسفہ اور نفیات نے ہمیشہ پیش کیا ہے، کچھ دیر کے لئے آپ میرے ساتھ چند نینوں پر غور کیجئے ایک زمانہ سے میں نے ان کا اپنی ذات کے لئے اور دوسروں کے لئے بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے، پدمانہ نفیحت کے لئے نہیں کھڑا ہوں چند اساسی عقلی اصول کی طرف آپ کی عقل روشن کو مستوجب کروں گا۔ اگر یہ

اصول آپ کی سمجھ میں آجائیں، اور آپ ان کے استعمال پر راضی ہو جائیں تو تعالیٰ یابی  
یقین ورنہ تضرع اوقات کی ساقی کا خواستگار ہوں، غم کا حتمی و یقینی علاج مذہب  
پیش کرتا ہے، اس کی تائید فلسفہ اور لغیات سے ہوتی ہے، اس علاج کے  
مختلف اجزاء ہیں، پہلا جزو،

**۱) زندگی کے خیر ہونے کا یقین۔** اگر آپ خدا کے وجود کے قائل  
ہیں، (اور اسی صورت میں میرا آپ سے روئے خطاب ہے) تو آپ بھی یہ  
مانتے ہیں کہ خدا ہمہ خیر ہے، خیر مطلق ہے، خیر محض ہے، نیز وہ ہمہ توان یا قادر  
مطلق بھی ہے، آپ کا یہ بھی یقین ہے کہ ہر شے کا صدور خدا سے ہوتا ہے،  
زندگی کا مبداء خدا ہے، اس لئے زندگی کا خیر ہونا بد بھی طر پر لازم آتا ہے،  
اگر عاذا اللہ خدا خیر محض نہ ہوتا تو اس سے شر کا صدور ممکن تھا، اگر خیر مطلق  
نہ ہوتا تو سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ خیر کے پیدا کرنے میں مجبور ہے، لیکن خدا کو خیر  
مطلق و قادر مطلق مان کر زندگی کے شر ہونے کا یقین کرنا نہ عقل ہی کے  
مطلق ہے، نہ نقل کے، بتائے مقدمات کے صحیح ماننے کے بعد منطقی نتیجہ سے  
گزیر کیسے ممکن ہے؟ اور مقدمات کی توثیق مذہب اور وجدان سے ہوتی ہے  
ہرچہ بینی محض خیر و حکمت است      کر تر از نور رحمت و گرتحت است  
ز انکہ تا بد فعل باطل از حکیم      فعل حق باطل بنا شد اے سلیم  
یہ دلیل تو میں نے اہل عقل کے لئے دی ہے، اہل عشق جن کی صفت  
یونس بن علیؑ ہے مبداء کائنات کو خیر محض مانتے ہیں اور اس کے گردیدہ  
ہوتے ہیں (استند حباً للہ) اور زندگی کے خیر ہونے کا انہیں راسخ یقین

ہوتا ہے، علاج غم کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اس یقین کو بختہ کریں کہ دینا اچھی زندگی اچھی زندگی کے تجربات اچھے زندگی کے ساتھ تعاون کرنا اچھا، اس تعاون کے نتائج اچھے انجام اچھا! اسی یقین، اسی "الہامی" و خود گزینی کی وجہ سے آپ یہ ایک وقت قنوطیت، یاس، غم و اندوہ کے غلامی سے آزاد ہو جائیں گے! اس معاملہ میں "بے یقینی" آپ کو ہمیشہ کے لئے سنج و الم میں گرفتار رکھے گی، اقبال کی تہدید بھول نہ جائے!

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار

غلامی سے بتر ہے بے یقینی

جب ہم یہ یقین کر لیں کہ زندگی اور اس کے تجربات اچھے ہیں، اور ہمیں ان سے خوشی کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اور پھر خوشی کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو جائیں تو ہم میں اور زندگی کے واقعات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے، اور حالات خود بخود سدھرنے لگتے ہیں، شادمانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے، یہ ایک راز ہے، اندہی زندگی کے تجربات کا احوال میں آپ پر فاش کر رہا ہوں!

یہ محض ایک اعتقادی بات نہیں ہے، بلکہ مسئلہ نفسیاتی اصول پر اس کی بنیاد قائم ہے، خیالات کا اثر افعال پر ہوتا ہے، اور افعال ہی آثار میں تغیر پیدا کرتے ہیں، قنوط و یاس، خوف و حزن پیدا کرتے ہیں، اور یہ وہ سلبی جذبات ہیں جو قوائے عملی کو مفلوج بناتے ہیں، خیالات اور جذبات اگر سلبی ہوں تو سیرت اور قسمت کے سید رو ہوئے میں باقی کیا رہتا ہے، کیوں کہ نفس کا

یہ ایک ہمہ گیر قانون ہے کہ خیالات ہی سے مقاصد کی تشکیل ہوتی ہے، مقاصد اعمال میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، اعمال عادات کا تعین کرتے ہیں، عادات کی ترتیب و تنظیم سے سیرت بنتی ہے اور سیرت ہی تو قسمت ہے انسان کی زندگی میں وہ دن نہایت ہی مبارک ہوتا ہے جب اس کو اس امر کی ایفیت ہوتی ہے کہ وہ خود ہی اپنی قسمت کا بنانے اور بگاڑنے والا ہے، اس کی فات ہی میں اس کے آلام کے اسباب پنہاں ہیں اور وہیں راحت و شادمانی کے علل کا نشان ملتا ہے، آفات کے نزول پر خدا کو ظالم اور اپنی فات کو مظلوم ٹھیرانا نہ صرف الحاد ہے، بلکہ کج فہمی اور بیوقوفی بھی، جب تم خدا کو ہمہ خیر مان کر تمام اچھی صفات سے منفک کرتے ہو تو پھر اس کی طرف ظلم کی نسبت کیسے ہو سکتی ہے اور خدا ظالم بن کر لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو لائق عبادت و استغاثت نہ ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اب اگر خدا پر یقین باقی رہ سکتا ہے تو صرف اسی حدت میں کہ خدا کو ظالم نہیں عادل مانا جائے۔ اب ظلم کی نسبت ہمیں اپنی فات کی طرف کرنی پڑے گی اور اسی کو تمام مصائب و آلام کا مبداء قرار دینا پڑے گا ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك۔

ان مخالفین کے سمجھ لینے کے بعد تم حجرات کے ساتھ یقین کر لو کہ دینا اچھی، زندگی اچھی اور اس کے واقعات و تحریکات اچھے، نقص، کجی یا شر کہیں ہے، تو تہا ہی ہی فات میں ہے، مصائب کے نزول کے وقت قضا و قدر پر اعتراض نہ کرو، بلکہ توافق بالحق سے کام لو، اس احساس کو قلب میں نہ

آنے دو کہ تم پر غم ہو رہا ہے، اور تم قابلِ رحم ہو، کیوں کہ اس احساس کے ساتھ ہی تم خدا کو غم سے متصف کرنے لگدگے، اور اپنے کو بے خطا و بے قصور قرار دے گے، اور تم نے دیکھا ہے کہ واقعہ ہمیشہ اس کے خلاف ہوتا ہے اپنی ذات کو بے خطا و بے قصور سمجھنا جب کہ وہی تمام سوء کامیہ ہو کس قدر عظیم الشان مغالطہ ہے، ایسی صورت میں کیا اصلاح نفس کی گنجائش بھی باقی رہتی ہے؟ کیا ترقی کا دعوازہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں ہو جاتا؟ جو شخص اپنی ہی جان پر ترس کھا رہا ہو، اپنی ہی قیمت پر آنسو بہا رہا ہو، اپنی ہی تقدیر کی شکایت میں ہمیشہ مصروف رہتا ہو اور ساری دنیا کو اپنا مخالف سمجھتا ہو، میرے نزدیک اس قابل ہے کہ کوہِ بحالیہ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا جائے تاکہ اس کو بھی نجات ملے اور دنیا بھی خس و خاشاک سے پاک ہو جائے

اقبال ایسے ہی بد بخت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

از جو چرخ ناہنجار تنگ	جام تو فریادی بیدار سنگ
نالہ و فسر یاد و ماتم تا کجا	سینہ کو بہائے پیہم تا کجا
مدخل پوشیدہ مضمرات حیات	لذتِ تحلیق قافونِ حیات
خیر و خلافتِ جہانِ تازہ شر	شکر و برکتِ خلیلِ آوازہ شر
با جہان نامساعد ساختن	ہمت و درمیدان سپر انداختن
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں	می شود جنگِ آذما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را	میدہ ترکیبِ لؤذرات را
میکند از قربتِ خود آشکار	روزگارِ نو کہ باشد سازگار

درجہاں نواں گرسروان زلیست ، پچھ مردان جان سپردن زندگی است  
 یقین کی اساس قائم ہونے کے بعد عمل کی مشید عمارت اٹھالی جانی چاہیے  
 اب ہم تک نے اس امر پر زور دیا کہ یقین درست کرنا چاہیے ، یقین کی زندگی  
 اچھی چیز ہے اور زندگی کے واقعات و تجربات اچھے ہیں ، ہاں کے ساتھ  
 تعاون ضروری ہے ، یہ علاج غم کے نسخہ کا پہلا جزو تھا۔ اس کا دوسرا جزو  
 عمل ہے ، جس کو زندگی کے ساتھ تعاون کہا جاسکتا ہے ۔

(۲) عمل :- مبدع غم احتیاج ، احتیاج کا دفعیہ عمل ہی سے ممکن ہے ، لیکن  
 یہ ضروری نہیں کہ عمل ہمیشہ کامیاب ہی ہو ، اور ساری احتیاجات کو رفع کر سکے  
 عمل کو کامیاب بنانے اور ناکامی کی صورت میں غم و اندوہ سے متاثر نہ ہونیکا  
 بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے ؛ بات بڑی آسان ہوتی اگر انسان کی ساری  
 احتیاجات عمل سے رفع ہو جاتی ہیں ، اور وہ محض چین و راحت کی زندگی  
 بسر کر سکتا ہے ، عمل کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں کامیابی یا ناکامیابی عام طور پر  
 فطرت کا یہی اصول ہے کہ مجاہد کے آگے دنیا اپنا سر جھکا دیتی ہے مجاہد  
 خطرہ ہی کی کو حقیقی معنی میں زندگی سمجھتا ہے ، ۴

اگر خواہی حیات اندر خطر زری

ناکامی سے یہ مایوس ہو کر نالہ و فریاد ، بینہ کو بی اور ماتم نہیں کرتا ، کیوں ؟  
 اس کے چند تیقات و عقاید ہیں ، ان ہی کی تحلیل سے علاج غم سے  
 دُسرے جزو کی تشریح ہو جائیگی ۔  
 مجاہد زندگی کو جہاد اکبر سمجھتا ہے ، دشمنوں سے جنگ اور میدان کارزار کا

جہاں و قتال اس کے نزدیک "جہاد اصغر ہے" اس کا بنیادی یقین یہ ہوتا ہے کہ حق بالآخر کامیاب ہوگا، اور باطل کو شکست ہوگی، چونکہ وہ ہمیشہ حق کے غلبہ و استیلاء کے لئے جہاد کرتا ہے اس لئے اس کو یقین ہے کہ خدا سے نصرت و تائید کا پانا اس کا حق ہے، کان حقاً علینا انصاراً للمؤمنین اس وعدہ اور یقین کی وجہ سے "احساس کمتری" ایک لحاظ اس سے مفقود ہو جاتا ہے اب وہ کامیابی کے یقین کی ناقابلِ رافعت قوت کے ساتھ عمل کرتا ہے اس کا ایمان ہوتا ہے کہ تمام عمل و قوت من اللہ ہے کلا حول و کلا قوۃ الا باللہ ! وہ صرف اللہ ہی کو ماعل اور موثر حقیقی سمجھتا ہے اور غرور کو امین و خلیفہ قوت و اثر و حرکت میں وہ اللہ ہی سے استعانت کرتا ہے اور اسی کے سامنے سرعبدیت خم کرتا ہے، ذل و افتقار کی اسی سے نسبت رکھتا ہے، عبادت و استعانت میں وہ اپنی نسبت صرف ! اللہ ہی سے رکھتا ہے اور نافی عن الخلق ہوتا ہے، یعنی نہ مخلوق سے استعانت طلب کرتا ہے اور نہ ان کے سامنے سرنیار بھجھکاتا ہے کفی باللہ وکیلاً اس کا ماٹو ہے فاتخذہ وکیلاً۔ اس کا اصل عمل قل اللہ شر ذرہم اس کا طریقہ کار حبیبی اللہ اس کا راحت جان کلمہ ! ایک لفظ میں وہ وعدہ ہوتا ہے، اور لا اله الا اللہ کا مصداق و عامل۔

اس یقین و عقیدہ کی تحریک سے اس کا ہر عمل پیدا ہوتا ہے، اب جیسا کہ ہم نے اوپر کہا عمل کے دو ہی نتائج ہوتے ہیں کامیابی یا ناکامی کامیابی میں "شکر" کرتا ہے کیوں کہ وہ اس راز سے واقف ہوئے۔

جو ایک مسئلہ نفسیاتی اصول پر مبنی ہے، کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے تو شکر عمل میں جوش پیدا ہوتا ہے اور تسخیر کائنات آسان ہو جاتی ہے، لہٰذا شکرت کا ذید نکمہ کا قلعی بند اس کو مسرور کرتا ہے، وہ اس کامیابی اور نعمت کو خدا کی جانب سے سمجھتا ہے اور خلق کی طرف اس کی نیت نہیں کرتا کہ خلق ہی کے ہاتھ سے نعمت ملتی ہے، لیکن یہ محض بمنزل اسباب و آلات و ادوات نعمت ہوتے ہیں، قاسم و مہر و موجد و فاعل و مسبب صرف اللہ ہی ہوتا ہے، اسی لئے وہی شکر کا مستحق ہے، مثلاً جب تمہیں تمہارا کوئی معسر ہو یہ بھیجتا ہے تو تمہاری نظر اس خادم کی طرف نہیں جاتی جو یہ دیکھتا ہے یہاں سے کرتا ہے بلکہ اپنے دوست کے تم شکر گزار ہوتے ہو، جس نے تمہیں یہ بھیجا ہے منعم حقیقی اللہ ہے۔ العاطی للہ۔ وما یکم من نعمۃ فمن اللہ اس ادراک سے نعمت نوال کے خطرہ سے آزاد ہو جاتی ہے، یہ ایک عظیم الشان حکمت ہے، جس کو بصیرت محمدیہ نے نبی نزع انسان کے سامنے پیش کیا ہے اس راز کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے !

النعمۃ وحشی فقید دھکا      نعمت ایک وحشی ہاتھ ہے لکڑی کی پیروں

بالشکر۔      ہے اس کو بازو بند۔

یہ تفسیر ہے باری تعالیٰ کے اس قول کی کہ

لئن شکرتکم لا ترید نکمہ۔

مجاہد جب اپنی جدوجہد میں ناکام ہوتا ہے تو مایوس و خزانہ خف و الم کا شکار نہیں ہو جاتا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ کائنات کے ایک قدیم ساز سے



وائف ہوتا ہے جو دفع غم کے لئے اکسیر ہے، اور جس کو "بصیرت محمدیہ" نے دریافت کیا ہے، وہ کیا ہے؟ یہی کہ بلاؤں پر صبر کرنے سے بلائیں نعمتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور انفسیاتی نقطہ نظر سے اس قانون پر غور کرو، مصائب کے نزول کے وقت صبر سے بہتر کوئی اور پہلو ذہن اختیار بھی کر سکتا ہے؟

حزن و مایس سے تڑائے عمل معنوج ہو جاتے ہیں، مصیبت کے مقابلے اور برداشت کی قوت فنا ہو جاتی ہے، تردد و فکر بھی عمل کے قائل میں انتشار اور پریشانی کو بڑھاتے ہیں، "گلہ و شکوہ" تو ناسروئی کی صریح علامت ہے، کلیت "استہزا و استغاف غم کی وار د نہیں، بلاؤں کے نزول کے وقت حیب انسان حق تعالیٰ کی گذشتہ عطاؤں کو یاد کر کے صبر کر لیتا ہے، لہذا حق تعالیٰ اس کے قلب کی حفاظت کر لیتے ہیں، مستغنی کر دیتے ہیں، اب بار غم سبک ہو جاتا ہے، برداشت کی قوت بڑھ جاتی ہے اور وہ انہی بلاؤں میں عطاؤں کو پاتا ہے۔

خود بلاؤں ابتلا کی ماہیت کے متعلق مجاہد صبح علم لکھتا ہے، ہر بلا ایک اخلاقی سبق دینے آتی ہے، یہ ہمارے کسی نہ کسی نقص کو رفع کرتی ہے اور اخلاقی اعصاب کو قوی کرتی ہے، سیرت میں نچنگی پیدا کرتی ہے۔ اس طرح ہمارے مراتب بلند کرتی ہے اور درجات میں ترقی دیتی ہے۔ یہ بظاہر شر ہے، لیکن دراصل خیر کے تحقق کا ایک ناگزیر ذریعہ ہے، زندگی ایک مدرسہ ہے، واقعات زندگی کے ذریعہ معلم حقیقی ہمیں ہر روز سبق دے رہا ہے اگر ہم میں عقل ہے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ہر نا کامی میں بھی ایک



گیا کہ اس آخری تازیانے پر آہ و بکا کیسی؟ کہا جس کے سبب مار کھائی ہے وہ ۹۹ تازیانوں تک یہاں تماشائوں میں موجود تھا، اور میری حالت دیکھ کر تھا، اس لئے مجھے کچھ بھی درد محسوس نہ ہوا، آخری تازیانے کے وقت وہ چلا گیا، اور اس وقت میں نے درد محسوس کیا یہ

بادرو لباز چلے دوائے ترسم در کس منکر آشنائے ترسم  
گر بر مرگے عشق باکشتہ شوی شکرانہ بدہ کہ خون بہائے ترسم  
(جامی)

میر پر استقامت پیدا ہو جائے تو تسلیم و رضا کا آخری مرتبہ حاصل ہو جائے ہے، اب مجاہد صاف طر پر یہ محسوس کر لے لگتا ہے کہ بلا از دوست عطارت و از عطا نالین غطاست البلاء کنز من کنوز الجنة لا یعطی الا باولیاء کی وہ تعذیب کرنے لگتا ہے، اب نہ شکوہ شکایت ہی کا امکان باقی رہتا ہے اور نہ جزع و فزع کا،

ستم کشان محبت دم از فغان بستند  
گرہ ز جبہ کشادند بر زبان بستند  
پیچ ہے درد و غم کا قطعی علاج تسلیم و تقویٰ ہے۔ اس کے  
کچھ نہیں

تسلیم ہی شوی ازاں غم گیتی،  
تسلیم شو ہر آں چہ آید پشت،  
رضایا ملے اور حفظ حال سے نہ صرف غم ہی دور ہو جاتا ہے،

فرج و سرور کے دروازے کھل جاتے ہیں بلکہ حق تعالیٰ بھی تظلی راضی ہو جاتے  
نہیں اور جانتے ہو کہ ان کی رضا مندی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے ؟

آہانکہ رضاٹے حق بجاں می جویند در راہ فضلے اولیٰ سر می پویند  
ہر یک ہمہ آن کند کہ حق فسر باید حق تیر ہماں کند کہ ایشان گویند  
قال علیہ السلام ان الله رجا لا یرضی برضا نھم و یغضب ببغضھم  
کہا انھم یرضو بضا و یرضو ببغضھم

ہر چہ خواہی آن کند گر سر چہ خواہد آن کند

اچہ گوئی بشنود گر ہر چہ گفت او بشنوی

اے درو! تو بھی کیا لغت ہے تری برداشت لے جے کیا سے کیا

کر دیا اسے

دردہ قدح درد کہ آں می باید دردیکہ زلزلت بیپتہر باید

تمنّت عجب لیک لیے خوش نمازت ہر چند ہی خورم و گرمی باید !

## علاج غضب

یہ مقالہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں سالانہ اجلاس  
نومبر ۱۹۶۲ء میں پڑھا گیا

تا بتوانی خستہ گرداں کس را      بر آتش خشم خویشستان کس را  
گرد است، جاوداں طبع سیداری      می رنج همیشه و مرغباں کس را  
(عطار)

انسان کی مادی اور روحانی ترقی میں جو شے سب سے زیادہ مانع و مزاحم  
نظر آتی ہے، وہ بے ذیہ غضب ہے، اس آتش فشان جذبہ کے اشتعال کے  
وقت انسان انسان نظر نہیں آتا، بلکہ وہ ایک ہیبت فارقا منظر پیش کرتا ہے  
جو روحانی آگ سے بڑھ کر ہے، جس میں محاسن خفا کے آثار ہیں اور جہاں  
سوز چمکاریوں کے کچھ نہیں دکھتا، اسی لئے اہل غضب اپنا نسب بانیان  
سے دلاتے ہیں کیونکہ اسی نے لڑکھا تھا کہ خلققتی من نار۔

اسے حارث بن ترکان اور علاج غضب کے عنوان سے فردوسیؒ ۶ میں شائع ہوا۔

تو باچپنیں تندی و سرکشی      نہ پندارم از خاک از آتشی  
ایک غضب ناک شخص کو اعصابی تناؤ کی حالت میں دیکھ کر حضرت حسنؑ  
نے خوب فرمایا تھا کہ ”اے شخص تو غصہ میں اتنا اچھلتا ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے  
کہ اب اس کی اچھال میں تو دوزخ میں جا پڑے گا“ اس قابلِ نفرت ہذبہ کے  
تسلط کے وقت انسان کی صورت پاگل یا دندے کی سی ہو جاتی ہے۔ دماغ  
اور اعصاب سپاہِ دغانات سے بھر جاتے ہیں، تو عقل تاریک ہو جاتا ہے  
جن میں دہر پیدا ہو جاتا ہے، دنیا تاریک نظر آنے لگتی ہے، اس تاریکی  
میں اس کو نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی، دوستی اور محبت کے پاک شے قربت  
و رحم کے مقدس آثار عزت و حرمت کے قیمتی روابط ایک ہی ضرب میں پاش  
پاش کر دیئے جاتے ہیں، تندر کا دنیا میں کوئی دوست نہیں، پاگل اور  
جہنم کا کوئی دوست کیسے ہو سکتا ہے، اس کی قیمت میں سوز و پیش لگمی  
ہوتی ہے، اسی سوز و غم کی وجہ سے وہ اطمینانِ قلب اور طمانیتِ خاطر سے  
محروم ہوتا ہے اور جب قلب مطمئن نہ ہو تو بدن کیسے تندرست رہ سکتا ہے  
اس جہانِ فانی میں شادیاں زندگی کے نسخے کے یہی دوا عزاؤ تو ہیں، صبح و  
تندرست بدن اور مطمئن و آزاد ذہن تندرستانِ دونوں سے محروم! اس کے  
سبب بھٹی سیاحِ روی میں کسی کو شک کیسے ہو سکتا ہے! اب سوز و پیش غم ہم  
سرخ و حزن کے سوا اس کے ماں ذخیرہ کس چیز کا ہوتا ہے ؟

• سوز و پیش بھرت ہر تند خو بود

برق از زبانِ حالِ مرا جتہ جتہ گفت

غرض غضب کا جذبہ ہر برائی کی کنجی ہے (حضرت جعفر صادقؑ) بیوقوفی کی جڑ ہے، مسرت و شادمانی کا قاتل ہے ایمان سوز ہے، اور طمانیت کش، اسی لئے جب بنی نوع انسان کے محسن اعظم آنحضرت صلعم (فداہ الہی و امتی) نے کسی نے درخواست کی کہ مجھے اپنی زندگی کو سونارنے کے لئے ذرا ساعمل تنہا دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا لا تقضبا یعنی تو غصہ نہ کر، جب اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو یہی جواب دیا گیا، اور تیسرے مرتبہ کے سوال کا بھی یہی جواب ملا، کسی دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تمہارا حق تعالیٰ کے نزدیک کبھی ٹھوٹ کا پینا اس قدر محبوب نہیں جس قدر کہ پی جانا غصہ کا لے

قرآن کریم نے کاظمین الغیظ العافین عن الناس کی تعریف کی ہے اور ان کے اتباع کی تحریص و تاکید۔

کیا اس خولِ نوار جالفتاں جذبہ سے نجات ممکن ہے؟ علمائے نفعیات کا کیا خیال ہے؟ قرآن کریم نے کیا طریقے تعلیم کئے ہیں؟ کیا علم کی تصحیح عمل میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے؟ کیا ریاضت و مجاہدہ غصہ کو محو کر سکتا ہے؟ انہی چند اعتبارات پر یہاں بحث کرنی مقصود ہے

ہندار کہ رہ خود بخود گم نہ کنی؟

سقراط نے ایک اذلی صداقت کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا تھا کہ "نیک علم ہے" یعنی علم صحیح ہی سے نیک عمل پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ علم زبان ہی

کی حد تک محدود نہ رہا ہو، بلکہ قلب میں بھی اترا ہو۔ تیقن کے درجہ تک پہنچا ہو۔  
 جو شخص علم کو نہ جان سہی کی حد تک محدود رکھتا ہے، اس کو زبانِ سنت میں  
 "علیم باللسان" اور جاہل بالقلب کہا گیا ہے، اس کا شمار ان داعظوں میں  
 ہوتا ہے، جن کی شکایت حافظؒ نے اپنی اس غلو الذکر شعریں کی ہے سہ  
 داعظاں کہیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند  
 چہل بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

علم صحیح بہر حال ضروری ہے اور پھر اس کے مطابق عمل ہو تو فلاح  
 انسان کے لئے چوستی ہے، جذبہ غضب کی تعدیل کے لئے بھی یہ دونوں  
 ضروری ہیں، اس لئے ہم یہاں ان ہی دو کے متعلق دو باتیں عرض کرنے ہیں  
 (۱) علم صحیح: یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ انسان کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے۔  
 اور کسی چیز کو مبغوض و مکروہ، وہ محبوب چیز کے حصول کے لئے کوشش کرتا  
 ہے اور اس کے تحفظ کا خیال دہمتنی ہوتا ہے اور مکروہ شے سے بھاگتا ہے  
 اور اس کو دفع کرنا چاہتا ہے، یہ اس کی فطرت ہے، وہ اسی پر مجبور ہوا ہے  
 جب اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو اس کو غصہ آتا ہے، بنات خود غصہ  
 برسی چیز نہیں، یہ ملامت کا آلہ ہے، تحفظ حیات کے لئے ضروری ہے، استمرار  
 نسل کے لئے ناگزیر ہے، تنازع للبقا میں اس کا خاص مقام ہے، اس کے  
 بغیر ارتقا میں نسل انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، جس طرح کائنات خدا جی  
 میں عنصرِ مادہ ضروری ہے، اس کے عدم سے افستال ہو جاتا ہے۔  
 اسی طرح فطرت انسانی میں جذبہ غضب بھی ضروری ہے، اس کے



فقدان سے تاجی پیدا ہوتی ہے، سورت لازم آتی ہے، اب غضب کے تین درجے ہوتے ہیں :-

۱۔ تضریط :- یعنی کئی یہ بالاتفاق مذموم ہے، ایسے ہی آدمی کو بے غیرت کہا جاتا ہے، امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ میں شخص کو غصہ دلانے سے بھی غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے، عفت و عفتہ کا بالکل نہ ہونا بھی سخت برا ہے اگر کسی شخص کی بیوی اس کے ساتھ خیانت کرے، غصے کا ارتعاب کرے اور وہ علم سے کام لے تو تباہ کیا یہ عقلاً شرعاً و عرفاً سمجھت مذموم نہیں، غصہ کا صحیح موقع پر استعمال ضروری ہے، حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کی صفات اشداد علی الکفار و التافعین و اعلظ علیہم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ جاحلہ الکفار و التافعین و اعلظ علیہم، درجہ کہ شدت و غلظت غضب کے بعد دوتا ہوتی ہے لہذا

تہر و لطف اندر قتل خد کو سست تباہے گل گل باش و جاسے خار خار  
۲۔ افراط :- یعنی زیادتی، یہ بھی بالاتفاق مذموم ہے، اسی لئے نبات کے طریقوں پر یہاں غور کیا جاتا ہے، حب غضب عقل و دین کی سیاست و تہرانی سے لکل جاتا ہے، انسان ورنہ بن جاتا ہے، تمام دنیوی و روحانی اقدار سے محروم ہو جاتا ہے، جنوں کا تسلط اس کے دماغ پر ہو جاتا ہے، اہل غضب کی فرست میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے، جن کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ۴ سایہ جن میں یہ انسان رہا کرتے ہیں

۳۔ اعتدال :- یہ درجہ عفو ہے، یہاں انسان کا غصہ عقل کے تہرانی میں

ہوتا ہے، دین کا مایع ہوتا، اس کے اشارہ کا منتظر ہوتا ہے جہاں حقیقت شرعاً واجب ہوتی ہے، وہاں وہ سنت سے کام لیتا ہے، اور جہاں اس کا پی جانا ضروری ہوتا ہے وہاں وہ حد اعتدال سے نہیں بڑھتا، اپنے نفس کا مالک ہوتا ہے، جانتا ہے کہ ایسے موقع پر۔ ع

ہرگز اعلم نیست اور چو دوست

ظاہر ہے کہ ہم یہاں غضب کے استیصال کی تعلیم نہیں دے رہے ہیں، بلکہ اس کے استعمال کی ہم غضب میں افراط و تفریط کو رفع کر کے وسط کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کہ خیر اکامد اور اوساطا۔

دیکھو غصہ کا کوئی معروض ضرور ہوتا ہے، یعنی اس کا تعلق کسی شے سے ہوتا ہے اب اس معروض کی تین شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) ایک وہ غضب ہے جسے ضروری اور لازمی ہے، جیسے غذا، لباس، مکان، صحت، جب ان پر حملہ کیا جاتا ہے تو اسلحہ غضب ان کے تحفظ کے لئے بھڑک اٹھتا ہے، حفاظت، ذات، و بقائے نفس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر جاندار اپنے دشمن کا مقابلہ کرے، اور ضروریات زندگی کے تحفظ میں شدت و قوت کا استعمال کرے، ورنہ وہ صفحہ ہستی ہی سے حرف فلط کی طرح مٹ جائے گا، اور یہ فطرت کا مقصد نہیں، مجاہدہ اور ریاضت سے اس قسم کے غصہ کو محو کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی کوشش ہی کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ خلاف

لے مقابلہ سرواحیاء العلوم باب غضب۔



شبِ اشیاء ہے جس طرح تمام وزن و لال کا سہ، بھی یہی حبتِ اشیاء ہے  
 نیز تمام حق و جہالت کا بھی سپرد یہی ہے، رفع غضب کے لئے بیچ پوچھو  
 تو تبدیلِ مزاج کی ضرورت ہے، جیسا کہ عارفِ معوم نے فرمایا تھا کہ اشکِ  
 التذیب و تبدیلی المزاج، اس کی تبدیلی کے لئے تھقیق و مبالغہ ضروری ہے  
 جس کا انحصار تو کیئے قلب پر ہے۔

اس کے لئے چند قرآنی اور نفسیاتی حقائق پر تجریدِ ذہنی کے ساتھ غور  
 کرو، تم ماں و دولت کو جتنا سہے قبضہ میں ہے، اپنی ملک سمجھتے ہو، کیونکہ  
 تم اس پر متصرف ہو، اپنی مرضی سے خرچ کرتے ہو، اپنی مرضی سے ذخیرہ  
 کرتے ہو، اپنے مالک ہونے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوتا، ناگہاں تم بیمار  
 ہو جاتے ہو، دولت تمہیں حالتِ صحت میں جان سے زیادہ عزیز تھی،  
 لیکن جب درد کی شدت تمہیں بے قرار کرتی ہے تو مال تمہیں ناظر آنے لگتا  
 ہے، تم اضطراب کے ساتھ طبیب کو طلب کرتے ہو، علاج و معالجہ پر بے دریغ  
 خرچ کرتے ہو، اسی چیز سے مفارقت گوارا کرتے ہو جو تم کو بہت زیادہ  
 پیاری تھی! اب تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ مال سے زیادہ عیوب شے صحت  
 ہے یعنی درد و الم سے رہائی اور سکون و آرام کا حصول، لیکن ابو جرد  
 تمہاری تمام سعی و کوشش کے تمہیں صحتِ بدنی اور راحتِ قلبی حاصل  
 نہیں ہوتی، تمہارے طبیب کا نسخہ اثر نہیں دکھلاتا، طبیب کے ابلہ  
 ہونے کا تم کو یقین ہو جاتا ہے اور تمہیں خوف ہوتا ہے کہ یہ کہیں اصل کی  
 پیش قدمی کی علامت نہ ہو، اس سے زیادہ قابلِ طبیب تمہارے علاج

میں مرعوب ہوتے ہیں، تیر بہ ہنس لسنوں کا استعمال ہوتا ہے، لیکن تمہارا  
 درد بڑھتا جاتا ہے، اضطراب و اضطراب میں ترقی ہوتی ہے، تمہارا مال  
 تمہاری جگہ و عشرت تمہارے خادم و نوکر اپنے تمام ذرائع کا تم استعمال  
 کر رہے ہو، لیکن ان سے تمہیں کوئی فائدہ کوئی نفع حاصل نہیں ہو رہا ہے  
 تم اپنی تکلیف اپنے درد میں کسی قسم کی کمی نہیں پاتے اب تمہیں یاد پڑتا  
 ہے کہ تم نے کہیں پڑھا تھا، یا کسی سے سنا تھا قُلْ كَلَّا اَمَلِكُ لِنَفْسِي خُذْ  
 ذِكْرًا نَفْعًا وَكَلَامًا وَكَلَامًا وَكَلَامًا وَكَلَامًا۔ الفاظ تمہارے ذہن میں ہیں  
 معنی کا تمہیں کھلا فہم حاصل نہ تھا، و ہمدان میں ان کا تحقق نہ ہوا تھا، ان کے مصداق  
 سے بے خبر تھے اب شاید تمہیں پہلی مرتبہ روشنی نظر آرہی ہے، جہل کی ظلمت  
 دور ہو رہی ہے اپنی ہی ذات میں معنی کا تحقق ہو رہا ہے اور خود کو نہ نفع پہنچا  
 پارہے ہوا اور نہ ضرر کے ذریعہ کی قوت ہی کا تمہیں احساس ہو رہا ہے، پھر  
 تم مالک کس شے کے ہو؟ تمہاری مالکیت سے تمہیں کیا فائدہ؟ اپنی محبوب  
 ترین جان سے تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، حد کی شدت میں رقی بھر لیتی  
 نہیں کر سکتے، مال تمہیں اس لئے محبوب تھا کہ اس سے درد کا ازالہ ہوتا ہے،  
 راحت حاصل ہوتی ہے، پھر یہ کیا باجلا ہے اس کا اثر کہاں گیا؟ جب  
 مال کے اثرات تمہارے اختیار میں نہیں تو ایسے بے اثر مال کو لے کر کیا کر گئے؟  
 یہ تو محض ایک بزرگاں ہے اس سے تو کڑوٹھی ہے، یہ پھر اتنا عزیز اتنا محبوب  
 کیوں ہو؟ صبح پوچھو تو یہ تمہاری ملک بھی نہیں، یہ حق تعالیٰ کی ملک کی ہے،  
 لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ رُبَّ ۲۸ ع ۱۳ اور وہی اس کے حقیقی

مالک ہیں، لہٰذا مافی السموات و مافی الارض و ما بینہما۔ یہ تمہارے معاملے  
 تھا کہ تم اس کو اپنی ملک سمجھ رہے تھے اور اپنے کو اس کا مالک جان رہے تھے  
 پس پوچھو تو تمہاری کوئی چیز ہی نہیں، تم اپنی ذات کے لحاظ سے فقیر محض ہو،  
 اور حق تعالیٰ ہی غنی و حمید میں، یا ایہا الناس استمر الفقراء الی اللہ و اللہ  
 دعوا العنی الحمید (پ ۳۴ ع ۳۰) حق تعالیٰ نے اپنی عنایت اور رحمت سے  
 تمہیں دولت دی عزت دی، مال و دولت تمہارے پاس امانت میں، تم  
 امین ہو، اس سے زیادہ نہیں، مالک و حاکم حق تعالیٰ میں، تمہیں حق امانت کا  
 احساس ہونا چاہیے، استر و امانت کا جب وقت آئے تو تمہیں خوشی کے ساتھ  
 اس کو مالک حقیقی کے سپرد کر دینا چاہیے، جانتے ہو استر و امانت کے مواقع  
 کون سے ہیں؟ ان کی تفصیل کا یہ وقت نہیں لیکن اتنا یاد رکھو کہ جب تمہاری  
 دولت پر آفت آتی ہے، وہ تمہارے ناقص سے چھین لی جاتی ہے اور  
 تم اس کو بچا نہیں سکتے، اور تمہارے قلب کے تار ٹوٹے جاتے ہیں، تمہیں  
 احساس ہوتا ہے کہ تم اپنی ملک سے محروم ہو رہے ہو، تو تمہاری نار  
 غضب بڑک اٹھتی ہے، یہی وقت اس علم جمع کے مختصر کا ہے کہ تم محض امین  
 ہو مالک نہیں، مالک حقیقی استر و امانت چاہ رہا ہے، متاع غیر پر تمہارا اختیار  
 نہیں، تمہارا فریضہ ہے کہ تشکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ امانت کو حوالہ کر  
 دو، غیظ و غضب کا کوئی موقع نہیں، بلکہ خوشی کا مقام ہے، و یا انت دارا انت  
 کے استر و کے وقت ضیق محسوس نہیں کرتا، بلکہ اس کے قلب کو سرور  
 و مسرت ہوتی ہے کہ اس نے اتنا عرصہ امانت کی حفاظت کی شرائط مقررہ کے

تحت اس پر مستحرف رہا، اور بالآخر وقت مقررہ پر مالک حقیقی کے ماتھے امانت سپرد کر رہا ہے۔

ہاں کیا تم جانتے ہو کہ تم پر ان بتلیات کا نزول کیوں ہے؟ تمہارا مال تمہاری دولت، آفتل کا نشانہ کیوں بن رہی ہے، اور تم غیظ و غضب کی آگ میں کیوں جلی رہے ہو؟ کیا اس کا بڑا سبب یہی "خیامت فی الامانت" تو نہیں جہاں تم نے اپنے علم کی تصحیح کی، اپنے کو امین جانا اور امانت کے مستحرف میں خیانت کو ترک کیا، اور شرائط معینہ کا خیال رکھا کہ فردا تمہارے قلب کی حفاظت کر دی جاتی ہے اب وہ غصہ کی آگ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اپنے فقر و امانت کا علم ہو جانے کے بعد وہ اپنی مالکیت کے وہم سے بھی نکل آتا ہے، مالک حقیقی وہ حق تعالیٰ ہی کو جانتے لگتا ہے، ان الحکمہ اللہ کا اس کو یقین پیدا ہو جاتا ہے، اپنے حکم کی خلاف ورزی پر اسکو آگ نہیں لگتی، اس کا شعلہ غضب نہیں بھڑک اٹھتا، جہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور نتیجہ کے طور پر جہدہ غضب کا بھی استیصال ہو جاتا ہے، اگرچہ پر بعد ان میں یہ بات کھل جائے کہ میری ذات فقیر محض ہے، مالک نہیں، ملوک ہے، حاکم نہیں، محکوم ہے، رب نہیں، مرئوب ہے، مولیٰ نہیں، عید ہے، ہاں اگر اس حقیقت کا محض تغلی علم نہیں، دنیائی عشق ہو جاؤ تو اب میری نظر میں غضب کے سارے سرو و منات فنا ہو جاتے ہیں، مال و عیال، قدم و حشم کا تغلی میری ذات سے باقی نہیں رہتا، فقیر کران سے کیا تغلی ہو سکتا ہے؟ یہ تو اس ذات کے لوازمات ہیں جو غنی و حمید ہے جو

مولیٰ و رب ہے، جو مالک و حاکم ہے۔

حق تعالیٰ ہی الہیں، لا الہ الا اللہ، وہی معبود میں، اور مستعان اور ہم سب عبد، عبد اپنی اہمیت ہی کے لحاظ سے ذلیل ہے، اور فقیر، اس کی یہ نسبت ذل و افتقار حق تعالیٰ ہی سے ہے، کسی غیر سے نہیں، وہ غیر اللہ کی نسبت سے غنی ہے، اور حق تعالیٰ کی نسبت سے فقیر، غنی کا فقیر سارے عالم سے مستغنی ہوتا ہے، جب قلب مومن پر اس توحید کا غلبہ ہو جاتا ہے، تو وہ ماری دنیا سے اور دنیا کی تمام محبوب و مرغوب چیزوں کی نسبت سے آزاد ہو جاتا ہے۔  
رفت آنکہ بقیلہ بتایں رو آرم      حرف غم شاں بہ لوح دل بنگارم  
آہنگ جلال جاودانی وارم      حسے کہ نہ جاوداں ازو بیزارم  
(رحمانی)

اور تم اوپر یہ دیکھ سیکے ہو کہ فنیط و غنیت کی اصل و منشا حب اشیاء فانیہ ہے، لا الہ الا اللہ سے قلب کا تزکیہ اور روح کا تجلیہ ہو کہ جب اشیاء فنا ہوئی اور اس حب کے فنا ہوتے ہی غنیت کی بھی پہنچ کئی ہو گئی!

(۴) **مجاہدہ**:- اس علم صحیح کے حصول کے بعد اب ہمیں مجاہدہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ مجاہدہ علم کے قلب میں نفوذ سرایان کے لئے ضروری ہے، مجاہدہ سے علم کا استقرار ہوتا ہے، تکوین جاتی ہے، تکوین پیدا ہوتی ہے، مجاہدہ ہدایت کے راستوں کو کھولتا ہے، حصول مقصد کا یہی واحد ذریعہ ہے، تمہارے سامنے جو علم صحیح اور پیش کیا گیا ہے، اس پر تدریجاً ضروری ہے، فکر لازمی ہے، فخر کا وقت اس کے لئے سب سے زیادہ موفقیں ہے



اس وقت اعصاب رات کی استراحت کی وجہ سے تازہ دم ہوتے ہیں  
 قلب کو سکون ہوتا ہے، دماغ افکار و نبوی سے نسبتاً خالی ہوتا ہے، اُسی  
 وقت تمہیں زندگی کے کاروبار شروع کرنے سے پہلے اس ازلی وابدی صداقت  
 پر غور کرنا چاہیے، اس کو قلب کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش  
 کرنی چاہیے، اپنے عت الشہ نفس تک پہنچانے کی سعی کرنی چاہیے کہ ملک  
 حاکم حق تعالیٰ میں، حکم ان ہی کا چلتا ہے، ہر چیز ان ہی کی ملک ہو، وہی رب  
 ہیں اور وہی مولیٰ، ہم ان ہی کے فقیر ہیں، ان ہی کے در کے سائل ہیں، وہی  
 ہمارے معبود ہیں، وہی مطلوب، وہی محبوب، وہی مقصود، ان کو دیکھ کر  
 کسی چیز کا جھٹکان نہیں، میں عنی عن الشئ سہل ہر شے سے نتر، مجھ  
 ہی سے ارشاد ہوا ہے:-

کیلا تاسوا علی ما فاتکم      تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس  
 دلا نقرحوا بہا اناکم      پر غم نہ کرو، اور جو چیز تم کو عطا فرمائی  
 (پ ۲۷ ع ۱۹)

کیوں کہ:-

عالم بظہیر ماست موجود      ایم زکائات مقصود  
 جوں میں تمہارا مراقبہ، تمہارا تفکر و تدبیر عمیق ہوتا جائیگا، تمہارا نقطہ  
 نظر بدلتا جائے گا، اور یاد رکھو کہ نقطہ نظر ہی کے بدلنے سے خودی میں  
 انقلاب پیدا ہوتا ہے، اور خودی کے انقلاب سے کائنات کے چار سو  
 بدل جائے ہیں۔

تزی خدی میں اگر انقلاب ہو پیدا عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بل جائے  
(اقبال ۲)

اسی انقلاب مزاج سے تمہارے قلب سے اشیاء فانیہ کی محبت محو  
ہوتی ہے اور غمہ کائناتی ہی سموار ہو جاتا ہے جب تک تم نے اپنے کو ایک و  
حاکم، امانت میں تم نے خیانت کی، امین نہیں غاصب ٹھہرے، غاصب کو  
جہاں کہاں امن و چین لینے دیتا ہے، تم میں اور کائنات میں توافق نہیں مخالف  
دشمنانہ قائم ہو گیا، اب ہر واقعہ تمہارے غضب کا بھر کاٹے گا اور تمہارے لئے  
سوائے دوح کا باعث ہو گا، جب تم نے اپنا نقطہ نظر بدلنا حق تعالیٰ کو مالک  
و حاکم جانا اور خود کو ان کا مملوک و محکوم، آداب امانت سے واقف ہو گئے  
تو اب کائنات میں اور تم میں توافق پیدا ہو جائے گا، اس توافق کے بدنبات  
غضب کا کوئی موقع نہیں پیدا ہو سکتا۔

تسلیم نمی شوی ازاں غم گیتی تسلیم شوہرا پنہ آید ہیت !

اس لئے ہمیں دوران تفکر میں رضا بالقضاء کے اعتبارات پر خاص طور  
پر توجہ کرنی چاہیے، دیکھو ”مدبر اسرار“ حقیقت کون ہیں؟ حق تعالیٰ ہی مدبر  
الامر من السماء الی الارض، جب وہ مدبر نہیں جب اسو حکم ان ہی کا ہیں؟  
رہے ان کی تدبیر کے ساتھ من رضا و کار ہے نہ کہ غضب غمہ دیکھو حق تعالیٰ کی  
ذات کامل ان کے صفات کامل ان کے افعال کامل، اور خود ہی خالق و خالقہم و  
تعالیٰ ان، تو اب بات تمہارے ذہن میں آجانی چاہیے کہ ۴

مہرچہ از دوستی رسد نیکو مست

دیکھو حق تعالیٰ مومن پر رحیم ہیں کان بالمومنین دھیما۔ اب اگر تم میں ایمان ہے۔ اس کی حفاظت تم نے کر لی ہے تو اب ہر واقعہ تمہارے لئے نشانِ رحمت ہی پیش آئیگا اگر بصورتِ قہر کیوں نظر نہ آئے کیونکہ حق تعالیٰ تم پر رحیم ہو کر تمہارا نقصان رد نہیں کرتے، جب اس صداقت پر تم غور کرو گے اور تمہارے قلب پر وہ مستط ہو جائے گی تو بے اختیار تمہاری زبان سے یہ پرتتم الفاظ نکلنے لگیں گے

خواہی زوصالِ شادمان و اسرا      خواہی شفرقِ یہ نفساں وار مرا  
سن باقرِ نگویم کہ چہاں وار مرا      ز انسان کہ دولتِ خواست چہاں وار مرا

(اختتام)

یہ مجاہدہ کا انجام ہوگا، لیکن اس غایت کا حصول یک دم نہیں ہوتا، تمہیں اپنے کام میں لگے رہنا چاہیئے، اور بہت واسطہ حال سے قدم بڑھائے جانا چاہیئے، کامیابی بالآخر مجاہد کے ہاتھ چرستی ہے اور کان حقا علیہا نصیر المومنین کا وعدہ اس لئے پورا ہو کر رہتا ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دے نارغ مباحش
عورت وار و دوست این آشتنگی	کوشش بیہودہ یہ از خشتگی
کار کے کن تو و کامی مباحش	انک اندک خاک چہ را می تراش
چل زچا ہے می کنی ہر روز خاک	عاقبت اندر سسی در آب پاک
چوں نشینی بر سر کوئے کے	عاقبت بینی تو ہم روئے کے

# کامیاب زندگی کا قرآنی تصور

۶ تفقیر کن دانه خود را شجره کے کن (صائب)  
 کامیاب زندگی! کتنا پاکیزہ، کتنا بلند نصب العین ہے، زندہ دلوں کا مقصود  
 ہے، مطلوب ہے، محبوب ہے، اس کے چہرہ زیبا سے ذرا نقاب تو اٹھا دو،  
 دن کی پوری روشنی میں اس محبوب کے خط و خال نظر آئیں اور ہم جیسے احمق  
 دیتے کہ پیکر تو بدیں، آب و تاب، بخت گرد بہت پر آئینہ آفتاب بخت  
 (بیخود مومانی)

درد بقول عرفی "غراب ناویدہ" کی تعبیر تو کچھ بے معنی چیز ہوگی۔  
 کامیابی کا لفظ اپنا آپ معترض ہے۔ مقصود کا پانا کامیابی ہے زندگی وہ  
 کامیاب ہے جو اپنے مقصود سے ہم آغوش ہے، اب زندگی کا مقصود کیا ہے؟  
 بچوں کو سادہ زبان میں سمجھا کر اس سوال کا جواب پوچھو تو وہ کہیں کود، تاشا،  
 اور دوست ہی کو مقصود زندگی قرار دیں گے، ایسے کن بچہ یہ بچوں کی منزل سے

گور کر جوفانی کی دلفریب وادی میں قدم زن ہوتے ہیں، ثواب ان کا مقصود نئی صدمت میں جلوہ افروز ہوتا ہے، اب وہ زیب و زینت و آرائش و زیبائش اور تفاخر کو غایت حیات قرار دیتے ہیں، اور اس سے حاصل ہونے والی لذت کو تمام "انذار" سے بالاتر! التباس کا یہ زمانہ بھی گریز پا ہوتا ہے، اور وہ بہت جلد زینت و تفاخر کو بچھن کی بے سنی خواہش سمجھنے لگتے ہیں جب ان کی عقلوں میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے تو پٹ کر اپنی محالیت پر نظر ڈالتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں،

اُسے آنکہ تمام آرزو ہوسی طامام مستی مخبطی خفہ چرکسی!!

(رفیع واعظ)

اب زینت و آرائش سے زیادہ نفوس قیمتوں کی طرف ان کی نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں وہ مال و دولت کے ترکار، جاہ و سرسبزیت کے ترقع کو اپنی زندگی کا مقصود قرار دیتے ہیں اور بچھن اور نوجوانی کی خام آرزوؤں کو ضبط اور مستی سے تعبیر کرتے ہیں، پختہ عقل کی پسند کی ہوئی یہ قیمتیں اب ان کا نصب العین ہوتی ہیں، انہی کے حصول میں وہ شب و روز سرگرم عمل رہتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ بس ان کو پا کر وہ سارے عالم سے غنی ہو جائیں گے، طمانیت قلب ان کو میر ہوگی، اور راحت جاں نصیب! اسی مغالطہ میں ان کی زندگی کے مختصر سہین دن گزرتے جاتے ہیں، اور رنج و راحت کی معتد مقدار انہیں ملتی ضرور ہے، لیکن اہل کی دہائی اور عمر کی کمی بالآخر ان کی زبان سے کہلا جاتی ہے،

شد عمر تمام و نامتاسیم ہنوز ! دہ دوزخ حسرتیم و خامیم ہنوز  
عمریت کہ در راؤ طلب گام ز نیم دیں طرفہ کہ در تخت گامیم ہنوز  
(سمن یزدی)

پیری کی منزل میں قدم رکھ کر انسان کی بصیرت میں عموماً روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب وہ زندگی کے قفل تجربات سے واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے تمام التباسات کو جاننے لگتا ہے، اور نظر کا دھوکا جس کا ہر قدم پر جانی میں وہ شکار ہو رہا تھا، اب اس سرب کو آب، خوب کو خراب، عطر کو شراب کہنے اور سمجھنے پر مجبور نہیں کرتا، اب وہ اشیاء کے حقائق کا کسی قدر عارف ہو جاتا ہے، زندگی کے گونا گوں تجربات کا ذخیرہ تصورات کی شکل میں اس کے حافظہ میں محفوظ ہوتا ہے، ان ہی سے کام لے کر وہ زندگی کی ماہیت سے واقف ہو جاتا ہے، اس کا تخیل زندگی کو ہر ہی بھری کھیتی کے مشابہ پاتا ہے، جس کی چند روزہ رونق و بہار نظر فریب ہوتی ہے، دلکش ہوتی ہے، ہیش رہا ہوتی ہے، فریب خوردہ عقل اس کو دائمی اور مستقل سمجھتی ہے، اس کی پرستش کرنے لگتی ہے، اس کو اپنا مطلوب بنا لیتی ہے، اور اس کی گردیدہ ہو جاتی ہے، بکا یک اس کھیتی کا رنگ بدلنے لگتا ہے، یہ رز پڑ جاتی ہے، آدمی اور حجاب اس کو روند کر چر کر دیتے ہیں،

کان لہر تعفن بالامس!

ہوال جہاں داصل اس عمر کہ بہت خوب لے و خیا لے و فریبے و دے لرت (تجیم)

قرآن کریم نے اس حقیقت کو چند پاکیزہ جملوں میں یوں ادا کیا ہے،  
اعلموا انما الحیوة الدنیا تم غرب جان لو کہ دنیوی حیات محض  
لعب و لہو و زینة و تفاحہ لہو و لعب اور زینت اور باہم  
بنیکم و تکاثف فی الاموال و ایک دوسرے پر فخر کرنا اور  
الاولاد و کمثل غیت اعجب امثال و اولاد میں ایک دوسرے  
الکفاد بناتہ ثم یمم فتراہ سے اپنے آپ کو نیا دہ بتانا ہے جیسے  
مصفر اثم یكون حطاما، مینہ ہے کہ اس کی پیرا دار کا شکر اٹکو  
(پ ۲۷، ۱۹۷)  
ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانی (۲۷)

زندہ دیکھتا ہے، پھر نہ پورا پورا ہو جاتی ہے)

بہتوں کے لئے زندگی کا معقود یا تو لہو و لعب ہے یا زینت و تفاحہ  
یا تکاثف اموال و اولاد، فلسفیانہ و اصطلاحی زبان میں اس کی تحلیل کرو تو معلوم  
ہوگا کہ اہل دنیا برترین اقدار یا تولدت کو قرار دیتے ہیں، یا دولت کو یا شہرت کو  
اور دولت و شہرت سے بھی ایک قسم کی لذت و راحت ہی مطلوب ہوتی ہے  
اور ان کے نزدیک کامیاب زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جو ان اقدار کے  
تحقق میں کامیاب ہوتی ہے ہمیں ذرا سمجھدگی سے یہاں زندگی کے ان  
اقدار یا غایات کا استحسان کرنا ہے، ۴

ہشدار کہ راہ خود بخود گم نہ کنی،

کیا لذت معقود زندگی ہو سکتی ہے، کیا ہم لذت اندرونی اور دل کی

خوشی کے لئے پیدا ہوئے ہیں، کچھ مفکرین کا یہ خیال ضرور رہا ہے اسٹروڈس کا خیال تھا کہ ہر اچھی چیز کا تعلق سکس سے ہوتا ہے، اور فرائڈ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات کا محور مرکز آلہ تناسل ہے اسٹروڈس مذہب کا بانی ارس تبوس لذت ہی کو مقصود حیات قرار دیتا ہے اپنے پیروؤں کو اس کی تلقین تھی۔

بھو منت اعتقاد باید کردن  
مے خردن و اندوہ جہاں ناخون  
(خیام)

ایپیکورس غرض باشوں کا بادشاہ اپنی اخلاقیات کا اولین محرک جلب لذت اور دفع الم قرار دیتا ہے، لیکن اتنی بات مسلم ہے کہ لذت کو غیر برتر قرار دینے سے اپیکورس کی مراد کسی عیاش کی لذتوں سے تھی نہ شہوانی تہنشات سے، بلکہ بدن کا درد و الم سے اور روح کا پریشانی و غم سے نجات دلانا اس کے پیش نظر تھا، فرصت کی زندگی ہو، آلام و اذکار سے نجات ہو، دوستی و محبت کا لطف ہو، فلسفے کا مطالعہ ہو، یہ تھے لذت کے تہنشات، اپیکورس کے خیال میں خیام کی زبان میں ان کے کو اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے۔  
تکے لئے سہل خواہم و دیوانے  
سہ رستے باید و لطف نمانے

۱۔ اور انسان کی حالت کبھی سے بہتر نہیں جو ہمیشہ حلوے ہی کی شیفہ ہوتی ہے۔

ہر جا کہ گس بندہ بالا رہ پڑ پڑت  
جز شیفہ در لودہ حلوا مینیت

(سہلانی استرآبادی)



دائے سن و توشہ شدت یہ دیرانے خوشتر بود از مملکت سلطانے  
خود قیام نے جہان بی وفا کا حاصل لذت کے سوا کچھ نہ پایا، صاحب  
نظر جب عالم پر غور کرتا ہے، ہر شے کا جائزہ لیتا ہے تو اس کو قیاسم کی  
راہ میں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ

در عالم خاک از کراں تا بہ کراں چنداں کہ نظر کند صاحب نظران  
حاصل دجیاں بی وفا چیز کے نیست آتائے سل و عارض خوش سپران  
ایک روز نرافرور ہے "بے سونس و بے حریف دے ہمد و جفت" قبر کے  
گوشے میں سونا ضرور ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ایک روز ہفتہ ہے کہ ۶

بہر لائے پڑ مردہ مخدہر بشگفت !  
تو پھر طلب لذت و دفع الم کے سوا زندگی کا مقصود ہو کیا سکتا ہے؟ لذت کے  
اسی بنیادی اصول کو قیام وقت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ

کم خرد غم روزگار ناساز شدہ سیمیزد کف ساقی و مساز شدہ  
کاں کر کس مادر آمد امروز بدوں فردا بینی بکون رن بار ز شدہ  
کسی راستہ چلنے والے عامی کو روک کر پوچھو کہ وہ دنیا سے کیا چاہتا ہے؟

الفاظ کوئی استعمال کرے اس کا مدلول و مفہوم ہو گا وہی جو طلب لذت،  
دفع الم سے تم سمجھتے ہو! وہ درد و غم سے نجات چاہتا ہے اور لذت و خوشی  
کا طلب گار ہے اشیاء کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے نزدیک لذت بخش یا الم رساں  
ہوتا ہے، وہ الم رساں و تکلیف دہ شے کو بری سمجھتا ہے اور لذت بخش  
اور فائدہ رساں چیز کو اچھی! اس کی خواہش کا انتہائی مطلوب کسی نہ کسی

صورت میں لذت ہی ہوتی ہے! یہ ہے "نفسیاتی لذتیت" کے حامیوں کی تحقیق اور ادعا، اس نفسیاتی تحقیق سے قطع نظر کر کے کہ انسان ہمیشہ لذت ہی ڈھونڈتا ہے، لذت ہی پر جان دیتا ہے، لذت ہی کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے، یہ دعویٰ کہ انسان کو لذت ہی ڈھونڈنی چاہیئے، لذت ہی کو اپنا مقصودِ حیات قرار دینا چاہیئے، "اخلاقیاتی لذتیت" کے قائل پیش کرتے ہیں۔

خدا عز و جل کو یہ بات صحیح ہے کہ انسان صرف لذت ہی کی خواہش کرتا ہے، لذت ہی کی تلاش میں اس کے روز و شب بسر ہوتے ہیں، یا اسکو صرف لذت ہی کی تلاش کرنی چاہیئے، لذت ہی کو اپنی غایتِ قصویٰ قرار دینی چاہیئے، کیا یہ صحیح ہے کہ

جہاں از پے شادی و دل خوشی است نہ از بر بیدار و محنت کشی است؟  
یا سچی بات دراصل یہ ہے کہ

نہ ایم آمدہ از پے دل خوشی مگر کز پے رنج و محنت کشی؟

تفکروا و کلامکو تو امن المستعجلین!

لذتیت کی نفسیاتی شکل کا بطلان تو تم پر تھوڑے سے نفسیاتی غور و فکر سے خود ظاہر ہو جائے گا، دیکھو بات یہ ہے کہ ہماری خواہشات کا بعد و دورِ اصل ہماری احتیاجات ہیں، اشتہات ہیں، ہماری خالص انسانی اغراض ہیں، جب ان احتیاجات و معیزہ کی تسفی ہوتی ہے، تو لذتِ نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے، لہذا کم از کم بعض شادوں میں تم کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ ہماری خواہشات کا مطلوبِ اصل میں وہ اشیاء ہیں جن سے ان خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے

نہ کہ مجرد لذت، دیکھو ہمیں پہلے بھوک لگتی ہے، اور پھر کھانے کی لذت حاصل  
 ہوتی ہے، یعنی اولیٰ احتیاج، پھر اس کی تشفی اور نتیجہ کے طور پر لذت، یہی بات  
 تمام لذتوں کے متعلق صحیح ہے، لذت، ہماری احتیاجات کی تشفی کے نتیجہ کے  
 طور پر پیدا ہوتی ہے، اور احتیاجات کا وجود تشفی سے مقدم ہوتا ہے، اس  
 میں شک نہیں کہ جب اس طرح ہم لذت کی چاشنی سے واقف ہو جائے  
 ہیں تو بعض دفعہ لذت کی لذت ہی کی خاطر خواہش کرنے لگتے ہیں، مثلاً بھوک  
 کی تشفی سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اس کو جان لینے کے بعد مگن ہے  
 کہ بغیر بھوک کے لذت ہی کی خاطر نگھنے لگیں اور اس طرح دانتوں سے اپنی  
 قبر اپنے ہی پیٹ کے اندر کھودنے لگیں، اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہر لذت  
 میں ہماری خواہشات کا مطلوب لذت نہیں ہوتا، احتیاج کی تشفی، درد کی  
 دوا، اشتہا کی تسکین ہر فرد چاہتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر اس کو لذت  
 و فرحت محسوس ہوتی ہے، تو لذت بریدے کے الفاظ میں نام ہے تحقیق  
 ذات یا تکمیل نفس کے احساس کا، کیونکہ فطری احتیاجات و اشتہات کی  
 تشفی ہی سے ہماری ذات کی بڑی حد تک تکمیل ہوتی ہے، ان احتیاجات  
 میں بدن و ذہن یا روح دونوں کی ضروریات شامل ہیں، انہی ضروریات کی  
 تکمیل سے لذت پیدا ہوتی ہے، لہذا خواہش براہ راست لذت سے متعلق  
 نہیں ہوتی، لذت براہ راست معروض خواہش نہیں، اور نہ لذت خود ہمارے لئے  
 قیمت رکھتی ہے، ناں اس کو "عیاس قیمت" قرار دیا جاسکتا ہے۔ بالکل اسی  
 طرح جس طرح کہ تھرمائیٹر کا درجہ حرارت، خود حرارت نہیں ہوتا بلکہ عیاس حرارت

ہوتا ہے، لذت ہر جہانی و دہرانی اقتضا کی تکمیل کے بعد لاحقہ کے طور پر نمودار ہوتی ہے، لیکن خود کبھی مقصود بالذات نہیں ہوتی، اس لئے لذت کا یہ کہنا کہ انسان صرف لذت ہی کی خواہش کرتا ہے انفعیات کی رو سے صحیح نہیں معلوم ہوتا اگر ہمارے یہ بیدھی سادھی بات تہذیبی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو خود تجزیہ کر کے دیکھو، لذت کو مقصود بالذات قرار دو اور اس کے حصول کی کوشش کرو، بہت جلد تم کو معلوم ہونے لگے گا کہ اس طرح لذت کا پانا اپنے سایہ کے پکڑنے سے زیادہ دشوار ہے، یہ عجیب بات ہے اور ہر تجربہ کار لذت پرست کو شاید اس کا اقرار ہے، دفلا سٹھ اس کو "استعداد لذتیت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، کہ لذت کی حقیقی تلاش کرو اتنی ہی وہ بچ نکلتی ہو جتنی زیادہ اس کی خواہش کرو اتنی ہی کم وہ ملتی ہے اور جس قدر بے پروا اس کی طرف سے ہو جاؤ، اسی قدر وہ تمہارے پیچھے دوڑتی ہے، پروفیسر ڈیوے کے یہ الفاظ حکیمانہ صداقت کے حامل ہیں۔

جب جذبہ کار حیا باطن کی طرف ہوتا ہے تو وہ اپنی فنا کا آپ باء ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر انسان یا تو بھیت اختیار کر لیتا ہے اور سرفروشی میں مبتلا ہو جاتا ہے، یا پھر ہر لحظہ نئی چیز کی تلاش میں رہتا ہے، جدید ترین احساس کا خواہشمند ہوتا ہے، جو اس کی نسبت اور درمائدہ جذباتی نظرت کو اکسائے اور اس میں نئے سرے سے جان ڈالے، اگر کوئی شخص محض حسی زندگی بسر کرے اپنے وجود کے قوانین کو توڑتا ہے اور ان اشیاء سے بے نیاز ہونا چاہتا ہے جن کے ساتھ یہ احساسات طبعاً پائے جاتے ہیں تو اس کی

تو بہ احساس رفتہ رفتہ منہم ہوتا ہی ہے اور وہ اپنے مقصد کی شکست کا آپ  
باعث ہوتا ہے، وہ جذباتی خودکشی کا ترکیب ہوتا ہے

اسی صداقت کا علم ہونے کے بعد سیرینیہ اور انتباع اپیکورس نے  
یہ مان لیا کہ ایمانی لذت کا حصول انسان کے لئے ناممکن ہے ان کی لذتیت  
میں قنوطیت کی جھلک پیدا ہو گئی اب وہ مجائے حصول لذت کے وقع الم کو  
مقصد حیات قرار دینے لگے، اپیکورس کا یہ قول مشہور ہے،

جو چیزیں زندگی کو مسرور بناتی ہیں، وہ نہ پیہم شراب سوام ہے اور نہ  
صغیر نازک کی صحبت اور نہ سرخ و ماہی اور قیمتی ماکولات سے آراستہ کئے  
ہوئے دسترخوان، بلکہ سنجیدہ و متین غور و فکر جو ہر عمل انتساب و اجتناب کے  
اسباب و وجود کا امتحان کرتا ہے اور ان پیہودہ خیالات و اوٹام کو دور کرتا  
ہے جو روح کی پریشانی اور اختلال کا باعث ہوتے ہیں۔

یہ ہے:-

اصلاح مزاج از ضروریات است یک تنفیذ داغ می باید کرد!  
(طائف)

ارسطی بوس کا مشہور پیر و گے سی لیس (Hedasius) لذت کو

۱۔ نفسیات ص ۲۹۹۔

۲۔ دیکھو بیک دل کی کتاب THE SOURCE BOOK OF ANCIENT PHILOSOPHY

ص ۲۰۰ مقابلہ کردار تم کی کتاب فلسفہ یاس ص ۷۸۹۔

مقصود حیات قرار دیتا ہے اور اس کی طلب میں کوشاں ہوتا ہے، بہت جلد تجربہ اس کو سکھاتا ہے کہ باہر جہاں میں غم ہی کا تو سیوہ ہر شخص کو نصیب ہوتا ہے، اور اگر کوئی بے غم ہے تو وہ بنی آدم نہیں، طرفہ جالور ہے!

عالم ہمہ دادرست و دوا می خواہد از خان کرم برگ و نوا سے خواہد کس سے حاجت نمی تواند دیدن درویش غذا، شہ اشتہا می خواہد (سجانی استر آبادی)

جب لذت مقصود حیات اور وہ ناقابل حصول تو پھر زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی، دنیا استخوان بے مغز ہے، عاقل اس استخوان کو کٹوں کے آگے پھینک دیتا ہے، موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے، موت ہی میں راحت جان پاتا ہے، موت ہی سے سارے درم عالم رافع ہو جاتے ہیں، اور غم و ہم و عود! ایجابی لذت ناقابل حصول، لیکن سلبی لذت ممکن اور وہ موت کے ذریعہ لہذا!

باچہ سرخ ستیزہ کار ستیزہ برو با گردش دہر در میا میزد یو! یک کاسہ زہر است کہ مرگش خوانند خوش درکش جرحہ در جہاں ویز و برو! (امیر ابواسحق)

یہ تھا استدلال مجھے تھی لیس کا، اور اس قوت و اثر کے ساتھ یہ پیش کیا گیا، کہ لوگوں نے خود کشی شروع کر دی اور اس کو "داعی الی الموت" کا خطاب دیا! جو لوگ زندگی کا مقصد و حید لذت اندوزی اور ذوق حقیقت کو قرار دیتے ہیں، انہیں اسی طرح استدلال کرنا پڑے گا۔

لذتیت سے تنوطیت کا ایک ہی قدم کا فاصلہ ہے، جب لذت پر نوز کا تجربہ یہ ہے تو بتاؤ کہ ۴

باقیہ مسطورہ لذت پہ کس کس ؟

اخلاقیاتی لذتیت کے حاسیوں کا یہ دعویٰ کہ لذت ہی کو زندگی کی غایت قصویٰ قرار دینا چاہیئے، دیرانگی نہیں تو کیا ہے ؟  
 نہیں، لذت زندگی کی غایت نہیں، عقلی لذت کی ماہیت و مقام سے واقف ہوتا ہے، طیبات حیات کو حقائق کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، لیکن وہ زندگی کا مقصود لذت اندوزی نہیں قرار دیتا، مجرد لذت کا کبھی تعاقب نہیں کرتا، اس کو موج سراب اور جوش حباب سمجھتا ہے، اور اس کے دھوکے میں نہیں آتا ۵

ان اللیبیب بوشاہا کلیند ۴

وہ اپنے مقصود کے حصول میں سرگرم عمل ہوتا ہے اور مسرت خود ستا کی طرح اس کا پیچھا کرتی ہے، مقصود کے حصول میں اس کا ہر عمل لطف انگیز، ہر حرکت فرحت بخش ہوتی ہے، جانتے ہو کہ یہ مقصود کیا ہے ؟ رفقاؤ حق ! حق تعالیٰ ہی سے اس کو آرام جیاں اور پرد قلبی نصیب ہوتی ہے اور عارف روم کے ساتھ مل کر وہ لذت سے کہتا ہے ۵

گر گریزی بہ امید را حتم ہم ازاں جا پیشیت، آید آہستہ  
 بیج کفے بے دود جبہ دامنیت خبر بخلوت کاہ حق آرام نیت  
 جب لذت مقصود زندگی نہیں تو کیا شہرت یا اشتہار خلق جاہ و مرتبت

نام و نمودہ اعلیٰ اقدار میں جن کا حصول زندگی کی غایت قرار دیا جاسکتا ہے ؛  
 ہم میں سے بہت سارے ایسے ہیں جنہیں زبان کی لذت سے کان کی لذت  
 زیادہ مرغوب معلوم ہوتی ہے ، وہ اس لطف کے لئے اپنی تمام کثیف لذتوں  
 کو قربان کر کے پر تیار ہو جاتے ہیں ، مصائب میں گرفتار ہونے سے نہیں  
 گھبراتے اور دود غم برداشت کر کے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ، آفتوں اور خطرہ کا  
 مقابلہ کرتے ہیں ، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شہرت کی قیمت بلاد میعیت  
 ہے تو بھی ان کی بہت پست نہیں ہوتی ، ان کے لئے شہرت غایت النایات  
 ہے ، اخیر برترین ہے ، مطلق قیمت ہے ، اضافی قیمت نہیں !

شہرت کی خواہش ہر انسان میں کسی قدر ضرور موجود ہوتی ہے اس کا  
 راز یہ ہے کہ انسان کا نفس تنقیص کو فطرۃً ناپسند کرتا ہے ، اور علو بندگی کو  
 طبعاً پسند ، بندہ ہونا اس کے نفس پر شاق ہوتا ہے ربوبیت طبعاً محبوب  
 ہے ، ہر شخص کے باطن میں وہ بندہ موجود ہے ، جس کی تفریح فرعون نے  
 اپنے اس قول سے کی تھی انا ربکم الاعلیٰ ، اس کی رفعت کا جب لوگ اقرار  
 کرتے ہیں ، تو وہ خوش ہوتا ہے ، بقول عارف روم فریب ہوتا ہے :-

چالور فریب شود از راہ نوش

آدمی فریب شود از راہ گوش

شہرت کا طالع سب دراصل لذت ہی کا بیماری ہے ، اس کا مہر و بھی  
 ایک قسم کی لذت ہی ہے ، وہ اپنے نفس کی کبریا کی کا اعلان چاہتا ہے ، نشیہ  
 چاہتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہر قیمت کو ادا کرنے پر تیار ہوتا ہے



اب غور کرو وہ اپنی مسرت، اپنی برو قلبی کی عمارت کس بنیاد پر قائم کر رہا ہے، ہوا پر، تعریف جو خلق کی زبان سے نکل رہی ہے، وہ آخر ہوا ہی تو ہے، جس کا خفیف سا جھوڑ کا بھی ہمارے پیار، شہرت کے دل کے غنچہ کو شگفتہ کر دیتا ہے، مگر کیا کوئی عقلمند اپنی مسرت کے قلعہ کو اس قدر کمزور بنیادوں پر قائم کرے گا؟ کیا ہوا پر اس کا اختیار ہے؟ کون جانتا ہے کہ آج ہوا کا رخ کس طرف ہوگا؟ عوام کا الانعام آج اپنے سپرد کو اورج آسمان پر جگہ دیتے ہیں، اور کل بغیر کسی وجہ کے خاکِ مذلت پر ٹپک دیتے ہیں، آج تحسین و تصفیق ہے، اور کل زبردقویٰ بیخ، اور کچھ دن بعد مطلق ذہول اور فراموشی یہ ہے المناک تجربہ تقریباً ان تمام پرستارین شہرت کا جنہیں عوام نے کچھ دن کے لئے بت بنا کر پوجا تھا، ونگٹن وائرلو کا فاریخ اعظم پنولین کو شکست دیتا ہے، اپنے زمانہ کی تہذیب و تمدن کو غارت و برباد ہونے سے بچا لیتا ہے، عوام اس کو سرآنگھوں پر بٹھاتے ہیں، بطل اعظم کا خطاب دیتے ہیں، اور کچھ ہی دن بعد لندن کی گلیوں میں یہی مشتعل و غضب آلود جمع ہتھیروں سے اس کے خود کو توڑ پھوڑ ڈالتا ہے، جس کو ونگٹن اپنی موت کے دن تک محفوظ رکھتا ہے جو لیس سیرڈ ایک، جن دینا پر حکومت کرتا ہے اور دوسرے دن اسے سان فراموش دوستوں کے ماتھے پر رکھ کر گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، سکذر اعظم کی لاش تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہتی ہے اس کو عزت کے ساتھ خاک کے سپرد کرنے کو بھی کوئی نہیں ملتا، یہ ہے انجام ہر شہرت و رفعت کا!

گیرم سپر کہ رستم و سام شدی      یا خسروی خیر و یاشام شدی  
 ذرور بگور می توان برو نہ زر      افسوس کہ کیمائے اور نام شدی  
 (نصرت اللہ خاں نثار)

شہرت کا اثر سیرت پر کیا ہوتا ہے ؟ شہرت سے محب و پندار پیدا ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہی ذات کو کبیر اور بہادر عالم کو اپنے مقابلہ میں حقیر سمجھتا ہے یا عقیدہ ہو کر مطلق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے بندہ ہو کر خدا بنتا ہے، جب اس کو خدا سے ڈرایا جاتا ہے، تو اپنے تکبر اور عزت کے گھمنڈ میں حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے **وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ** (پ ۱۷ ع ۹) جس شخص کا دماغ اس قدر الٹ جائے اس کو مسرت و طمأنینہ قلبی کہاں نصیب ہو سکتی ہے ؟ اسکو ہر قدم پر خلاف طبیعت عناصر سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، کوئی اس پر طعن کرتا ہے اور کوئی حسد، کوئی اس کو ”قطرہ آب گندہ“ کہتا ہے، اور کوئی طرفہ جانور اس کا ہر عیب دنیا کے سامنے نمایاں طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کی کوئی غلطی لوگوں کی نگاہوں سے بچ نہیں سکتی، شہرت کی وجہ سے گریا و آفتاب کے نیچے گھڑا ہوتا ہے، اور اس کا ہر نقص اسب نمایاں ہے اور بقول عارف عدم اس کی حالت یہ ہوتی ہے،

خشبہا و چشہما و اشکہما !

برسرت ریز و چو آب از مشکہما !

ایک آرزوئے شہرت، قتائے رقت، خواہشِ ملوس کو بہر اعدا

غلوں اور آفتوں میں مبتلا کرتی ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ حق سے کٹ کر خلق سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور خلق سے سوائے غم و اندوہ کے اور کیا ماحقہ آسکتا ہے، وہ خلق کے قلوب کو ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہتا ہے ان پر اعتماد کرتا ہے، سمندر کی موجوں پر گھر بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا پائدار اور مستقل ہے۔ فی الواقعہً اس کے وعدوں سے وہ خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی خوشی کی مدت ایک رات سے زیادہ نہیں،

وعدۃ ارباب دنیا سمجھ خراب احتلام!  
شب بہ شب عیش عشرت با شرف واد مرغ  
(کلیم)

ایسے الحق پر ترس آتا ہے، مگر اس کے مقصود ریاضت کو کوئی عاقل اپنی زندگی کا مقصود بنانا پسند نہیں کرتا،

نہیں! ہم محض حصول جاہ کو زندگی کی غایت نہیں قرار دے سکتے اس میں گو کسی قدر لذت ضرور ہے، لیکن یہ غیر فلو ط لذت نہیں، درد و افسوس، رنج و مصیبت کا عنصر اس مرکب میں بہت زیادہ ہے، یہ انسان میں کبر و غرور پیدا کرتا ہے، اور متکبر نہ دنیا میں راجحت و طمانینت پاسکتا ہے اور نہ آخرت میں فوز و کامیابی، وہ دل کا اندھا ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی نشانیوں کی پہچان سے محروم رہتا ہے، حق بات اس کو نظر نہیں آتی، حق کی طرف سے اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، جب دید حق نہ رہے تو پھر اس میں پست کے سوارہ کیا جاتا ہے؟

آدمی دیدست و باقی پوست ست دیداکل باشد کہ دیدر دوست ست

(روحی)

ساحف عن ایاتی الذین یتکبرون  
فی الانص بغیر الحق رب ۶۹ ع  
ہیں ان کو کوئی حق نہیں۔  
ہیں ایسے لوگوں کو اپنی نشانیوں سے برگشتہ  
ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکررتے ہیں

اسی کی طرف اشارہ ہے، اور اسی وجہ سے وہ حق تعالیٰ کا مبعوض ہو  
جاتا ہے اتلہ لا یحب المستکبرین! حب وید حق کھو چکا، حق تعالیٰ کا  
مبعوض قرار پا چکا، اور پھر اس کے ہلاک ہونے میں باقی کیا رہا، انانیت، اپنی  
ذات سے محبت اپنے ہی ذکر کے انتشار کی خواہش، اپنی ہی تعریف کی  
محبت، اور اس سے پیدا ہونے والی لذت یہی تو ہیں، اجزاء اس کی ہلاکت  
اور بربادی کے! اسی لئے نفس النافی کے امراض سے پوری طرح حقیقت  
رکھنے والے حکیم نے فرمایا تھا کہ

انما هلاك الناس  
بانتباع الهوى وحب  
الثناء۔  
ہوئی دہوس کی پیروی اور اپنی  
تعریف و توصیف کی محبت لوگوں کی  
ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔

ایک اور طریقہ سے اسی صداقت کا اظہار شدت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

ذنبان صاربان اربلان  
فی ذریۃ عنم لیس باکثر  
فساد امن حب الشرف  
دو بھڑیئے عمدہ کرنے والے جمع ہیں  
کے گلے میں چمڑ دیئے جائیں، اتنا  
نقصان نہیں کرتے جتنا کثرت اور

والمال فی دین الرجل  
(مسلم)  
مال کی محبت مسلمان آدمی کے دین  
میں کرتی ہے۔

اسی "حب الشرف" سے ارادہٴ رفعت یا ارادہٴ غلو پیدا ہوتا ہے اور جب  
تک انسان اس سے خالی نہیں ہوتا، اپنی آخرت درست نہیں کر سکتا۔

تلك الدار الاخرة فبعالها  
للدین لا یرید دن علواً  
فی الاغص و لا فساداً  
والعاقبة للمتقين۔

یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں  
کے لئے خاص کرتے ہیں، جو دنیا میں  
نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد  
کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو  
ملتا ہے۔

(پ ۱۲ ع ۱۲)

کہا جاتا ہے کہ حضرت خلیفہ عمر بن عبد العزیز اس آیت کو مرتے وقت  
پڑھتے تھے، یہاں تک کہ پڑھتے پڑھتے جان دی۔

خوب سمجھ لو کہ ہم حصولِ کمال سے نہیں منع کر رہے ہیں، ہم علم میں منفرد  
یا کمال ہونے کی آرزو کو جائز سمجھتے ہیں، ہم کمالِ حریت یعنی شہادت و جذبات  
سے آزادی، دنیوی تر دوات سے نجات کو حقیقی کمال قرار دیتے ہیں، ہم حق  
تعالیٰ اور ان کے صفات و افعال مالکیت و حاکمیت کے علم کو سب سے  
دیاوہ اعلیٰ و حقیقی کمال سمجھتے ہیں، اور ہمارے عقیدہ کی رو سے یہ علم یہ معرفت  
عارفین کے لئے مرنے کے بعد نور بننے کی لہ

نورہم یسعی بین ایدیم      ان کا نور ان کے اپنے اظہان کے  
 ویا یمانہم یقولون ربنا      سامنے دھرتا ہوگا، یوں دُعا کرتے  
 اتبیم لنا نورنا۔      ہوں گے کہ اُسے ہمارے پروردگار  
 (پ ۲۸ ع ۲۰)      ہمارے لئے اس نور کو آشوب رکھ۔

اور جو اس نور معرفت سے بے بہرہ ہوں گے ان کا حال اس شخص کا سا  
 ہوگا، جو اندھیر لیل میں پڑا ہے۔

کیمن مثله فی الظلمات      اس شخص کی طرح جس کی حالت یہ  
 لیس مجاہدیم منها      ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے  
 (پ ۸ ع ۲)      نکلنے ہی نہیں پاتا۔

ہم اس جذبہ کی لذت کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے کمال کے پیدا  
 ہونے کے بعد ایک شخص اپنی ذات کو کبیر اور سارے جہان کو حقیر و منیر سمجھتا  
 ہے، یا پھر کمال اس لئے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں اور جسموں  
 پر حکومت کرے، اور اس سے حاصل ہونے والی لذت و خوشی کو اپنی  
 زندگی کا مقصود قرار دے، اس خصوص میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ایک دعا کی صورت میں سیدھے راستے کی تعلیم فرمادی تھی۔

اللہم اجعلنی صیوذاً و شکوذاً      حق تعالیٰ مجھے صابر و شاکر بنانا، مجھے اپنی  
 واجعلنی فی عینی صغیراً و فی      آنکھوں میں صغیر رکھ، اور لوگوں کی آنکھوں  
 ابصار الناس کبیراً      میں کبیر بنانا۔

اے یہ دعا حضرت پریدہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مسند نواز میں ملتی ہے۔

محبب میں خود اپنی آنکھوں میں حقیر ہوں، اپنی پندگی دسے چارگی کو  
 بھول نہ جاؤں، اپنی غفلت و جہل سے باخبر رہوں، تو پھر مجھ میں نہ اپنی  
 تعریف کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور نہ کبر کا مذہم، اب حق تقاسم  
 اپنے اس سزا ضلع بندہ کو رفعت عطا فرماتے ہیں، اور حقیقی کمال سے حصہ  
 دافر! یہ بزرگی اور کمال کا عطیہ ہے اور اس کا استعمال معطی کے احکام  
 کے مطابق ہی کیا جاسکتا ہے۔

مقصود حیات اگر شہرت یا اشتہار خلق نہیں تو کیا مال و دولت کو زندگی  
 کی انتہائی غایت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس امر میں شاید کسی کو ہم سے اختلاف نہیں ہوگا کہ مال ہمیشہ ایک  
 ذریعہ ہے کسی غایت کے حصول کا، خود غایت نہیں، ہم نے ان غایات  
 میں سے بعض پر اوپر بحث کی ہے، اور ان کو زندگی کا مقصد و نہیں قرار  
 دیا، یعنی اگر مال سے جاہ طلبی یا لذت اندوزی مقصود ہو تو پھر مقصود کے  
 ابطل سے ذریعہ کا باطل ہونا بھی لازم آئے، اور اگر جائز مقصد حیات  
 کے حصول میں یہ استعمال ہو تو پھر یہ ایک ذبردست قوت ہے اور عظیم  
 الشان نعمت ہے۔

مال را گر بپر دیں مابشی حصول

نعم مال صالح گفتش رسول ۲

اب ہمیں زندگی کے حقیقی مقصد کے تعین کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

قرآن کریم کی ہدایت کی روشنی میں مقصود حیات کا تعین ضروری ہے۔

حق تعالیٰ کی معرفت اور ان کی عبادت جہاں کی تخلیق کی غایت ہے  
حضرت ارشاد ہے :-

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون<sup>۱</sup>

عبادت بغیر عرفان حق کے ممکن نہیں، لہذا وحدت ذاتیہ حق کی معرفت  
اور اس کی عبادت کے سوا جہاں کا کوئی مقصود نہیں، ہر بنی اور ہر رسول  
کے پیغام کا خلاصہ بس یہی تھا،

یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم  
من اللہ غیری (پہ ۱۲ ع ۵)

اے میری قوم تم اللہ کی عبادت

کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

درج نہیں۔

جاتی نے اس مقصود کو ان دل پذیر اشار میں ادا کیا ہے :-  
از زندگیم بندگی درست ہو بس      برزندہ دلائل بے تو طرم دست نفس  
خواہد تو مقصود دلی خود ہر کس      جامی ز تو ہمیں زامی خواہد و بس  
زندگی کا مقصود برترین مقصود غایت الغایات حق تعالیٰ ہیں، ان کی  
باینت ہے، ان کی عبادت و بندگی ہے، ان کا عشق و محبت ہے، یا  
یوں کہو کہ ہماری ساری عبادت ہمارا جینا اور ہمارا مرنا سب خالص حق  
تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

قل ان صلابی ونسکی      کہو کہ بالیقین میری ممان اور

۱۔ معرفت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ليعبدون کے معنی کی ہے :-



وہمعیای و مہماقی للہ رب  
العالمین لا شریک لہ و  
بن اللہ امرت وانا اقل  
المسلمین - (پ ۸ ع ۷)  
اور مجھ کو اس کا کوئی شریک نہیں  
اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں  
سب ماننے والوں سے پہلا ہوں -

حق تعالیٰ ہمارے مقصود ہیں، اسی لئے ہمارے محبوب، مطلوب بھی -  
والمذین امنوا اشدد  
حباً للہ (پ ۲ ع ۷)  
نہایت تیری محبوب ہے۔

وہ ہماری جان و مال، فرزندوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں -  
خدا ہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم  
مقصود من خستہ ز کو منین تو حی  
وہب زندگی کا مقصود حق تعالیٰ ہیں تو اب دیکھو کہ وہ ہماری اسس  
زندگی کو کس طرح بسر کرنے کا حکم دے رہے ہیں، پہلے اجمال  
بہر تفصیل -

اجمالاً یوں سمجھو کہ جب حق تعالیٰ ہمارے معبود ہیں اور محبوب ہیں،  
تو ہمارا کام ایسا ہونا چاہیے کہ وہ کسی نہ کسی طرح عبادت میں شامل  
ہو جائے، یعنی ان ہی کے اقبال اس میں ہو، ان ہی رضائیں حاصل  
لوں تو ان کے خاطر ہو، نفس و ہوا کی پیروی میں نہ ہو، یعنی لذت اندوزی کے

لئے نہ ہو، عیش پرستی کے لئے نہ ہو، جاہ طلبی کے لئے نہ ہو، ہمارے قلوب پر  
 مالکیت و حاکمیت اللہ کی ہو غیر اللہ کی نہ ہو، اور ہمارے ہر فعل کا تقین امر  
 حق سے ہو، نفس و شیطان کے حکم سے نہ ہو، ایسی زندگی قرآن کی اصطلاح  
 میں تقویٰ کی زندگی ہے اور یہی کامیاب زندگی ہے، اقبال کے تہذیبی  
 الفاظ کا اس جگہ ذکر کرنا ضروری ہے، یہ اپنے الفاظ میں تقویٰ کی زندگی اور  
 کامیاب زندگی کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں،  
 واسطے ما سے واسطے این دیر کہن

یتبع لا در کف نہ تو داری نہ من

دل نہ غیر اللہ پر دانا اے جہاں

این جہاں کہنہ در بازار اے جواں

تا کجا بے عزت وین زلیستن

اے مسلمان مردن است این زلیستن

مرد حق باز آفریند خویش را

جز یہ نور حق نہ بسیند خویش را

بر عیار مصطفیٰ خود رازند

تا جہاں نے دیگر سے پیدا کنند

اب ذرا تعنی میں جا کر تقویٰ کی ماہیت کو اچھی طرح سمجھ لو

قرآن میں متقیوں کی تعریف اجمالاً یوں کی گئی ہے -

والذی جاء بالصدق و جدی بات لے کر آیا، اور

وهدد ق بله اولئك هم

جس نے اسکو پیچ مانا، وہی لوگ

المتقونہ (پ ۱۴/۱۷)

پرہیزگار یا متقی ہیں۔

جو سچی بات سے کرا یا وہ سچی اور جس نے ہرج مانا وہ من و متقی، تقدی  
سچی کو پیچ ماننا اور اس کی تصدیق کرنی ہے، حق تعالیٰ انبیاء ہی کے فریاد  
علم صحیح عطا فرماتے ہیں، انبیاء اللہ ہی کے علم کو پیش کرتے ہیں، اپنی طرف  
سے اس میں کسی قسم کی نہ زیادتی کرتے ہیں اور نہ کمی، جو لوگ اس پر ایمان  
لاتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہی متقی کہلاتے ہیں۔  
تقدی کی کچھ تفصیلات کو اس آیت میں پیش کیا گیا ہے۔

لیس البدان تولوا وجوهکم  
قبل المشرق والمغرب  
ولکن البرمد امن بالله  
والیوم الآخر والملئکة  
والکتاب والنبین وابق  
الہال علی حبہ ذی القربی  
والیتامی والمساکین وابن  
السبیل والساثلین و فی  
الدقاب واقام الصلوة  
واقی الذکوة والیوفون  
بعہد ہم انہ اعاهدوا

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا  
منہ مشرق کو کرو، یا مغرب کو، لیکن  
کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر  
یقین رکھے اور قیامت کے دن پر  
اور فرشتوں پر اور کتب پر اور  
پیغمبروں پر اور مال و یتیم اللہ کی  
محبت میں رشتہ دامن کو اور یتیموں کو  
اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور  
سوال کرنے والوں کو، اور گردن  
چھڑانے میں اور ناز کی پابندی  
سکھتا ہو، اور نیکوئی بھی ادا کرتا ہو

رالصابرين في الباساء والضرار      اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا  
 رحيم الباس اولئك الذين      کرنے والے ہوں، جب عہد کر لیں  
 صدقوا اولئك هم المتقون      اور وہ لوگ متقی رہنے والے ہوں  
 (پ ۷۷۲)      تنگ دستی میں اور بیماری میں اور  
 ترجمہ: مولانا شرف علی تھانی رحمہ اللہ      قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور  
 بھی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

اس آیت کا بجز یہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا انحصار چند مقائد  
 اعمال اور اخلاق پر ہے، مقائد میں اللہ پر آخرت پر ملائکہ پر، کتب منشرہ پر  
 اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا داخل ہے، یہ تقویٰ کے اساس ہیں، عمل کا  
 مدد و ایمان و یقین سے ہوتا ہے، متقی کے ایقانہ جن کا نتیجہ اعمال صالح  
 ہیں، یہ ہونے چاہئیں جن کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کے بعد ان اعمال  
 کی بھی کسی قدر تفصیل پیش کر دی گئی ہے، ان کی بتیں تمہیں کی گئی ہیں، اتفاق  
 اقاربت صلہ و ایثار ڈکوة، اتفاق رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں مسافروں  
 سوال کرنے والوں کے لئے ہو، اور قیدیوں کے چھڑانے میں کیا جائے، اتفاق  
 کی شرط مقدم حق تہائے کی محبت ہے، اپنی جو کچھ خرچ کیا جا رہا ہے، وہ ان  
 ہی کی محبت ہی میں خرچ کیا جا رہا ہے، ان ہی کی خوشنودی و رضا کی خاطر  
 اس لئے نہیں کہ نام ہو، شہرت ہو، لوگوں کی نگاہوں میں برتری حاصل ہو،  
 اخلاق میں ایفائے عہد اور مہربان خاصہ صمیمیت کے ساتھ ذکر ہے، تنگ دستی  
 میں، بیماری میں اور کفار کے ساتھ جنگ میں۔

تقویٰ کے متعلق دوسری تمام قرآنی تصریحات کو پیش نظر رکھ کر حضرت امام غزالیؒ اس کی جامع و مانع تعریف یوں کرتے ہیں کہ تقویٰ بچنا ہے ہر اس شے سے جس سے دین میں ضرر کا خوف ہو، عبادہ مغرب سے بھی اس تعریف کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ جو بیمار پرہیز کرتا ہے اس کو عرب "متقی" کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ ہر مضر چیز سے خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی بچتا ہے۔ اس طرح دین کا تقویٰ لواہی سے اجتناب ہے، حضرت غزالی کی اس تعریف میں اشتباہ ماسویا عبادت پر زور نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ صرف اجتناب، مخطور یا گناہوں سے پرہیز ہی کی تاکید کی جا رہی ہے۔ منہاج العابدین میں وہ کسی جگہ فرماتے ہیں کہ عبادت کے دو بڑے حصے ہیں ایک عبادت کرنا، دوسرا پرہیز کرنا، اور یہ آدھا حصہ یعنی گناہوں اور شہوات سے پرہیز انسان کے لئے پہلے آدھے حصہ یعنی عبادت سے زیادہ بہتر ہے، بتدی عبادت کے حصہ پر زیادہ زور دیتا ہے، اور کابل اہل بصیرت پر پرہیز کا حصہ اہمیت دیتے ہیں، اور ان کو ہر وقت یہ دھیان رہتا ہے، کہ دل کو غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے بچائیں، لیکن اگر دونوں حصے حاصل ہو جائیں یعنی عبادت و پرہیز تو کمال حاصل ہوتا ہے، اور سلامتی اور عنایت تیسر ہوتی ہے۔

۱۔ دیکھو سراج السالکین ترجمہ منہاج العابدین ص ۷۵ و مطبوعہ دکن پورہ

۲۔ دیکھو سراج السالکین ترجمہ منہاج العابدین ص ۱۱۸، ۱۱۹۔

عبادت کے دونوں حصوں کا خیال رکھ کر تقویٰ کی جامع و مانع تعریف  
 اس طرح کی جاسکتی ہے، "تقویٰ کفر و شرک، نفاق و بدعت سے احتراز  
 اشغالِ مامور، اجتنابِ محظور اور رضا بمقدور ہے، متقی کا قلب ایمان و  
 توحید و صدق سے آراستہ ہوتا ہے، سنت پر قائم ہوتا ہے اور امر کا  
 اتباع کرتا ہے، نواہی سے بچتا ہے، راضی برضائے حق رہتا ہے، اسی  
 چیز کو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس طرح ادا فرماتے ہیں،  
 لا یدل لکل مومن فی سائر احوالہ من ثلثة اشیاء۔ امر بمعیتہ  
 و نفی بمعیتہ و قد یرضی بہ، یعنی ہر مومن کے لئے تمام احوال میں تین

۱۔ احتراز کا ذریعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اللہ ہی کو اللہ قرار  
 دینا یعنی سید و مستعان ماننا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا توحید ہے،  
 اس اقرار سے شرک کا خسروں پر جانا ہے اور توحید داخل ہو جاتی ہے،  
 جس ذاتِ پاک نے یہ پیغام ہم تک پہنچایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رسالت کے  
 اقرار سے دل سے کفر کا خسروں پر جانا ہے اور ایمان جلوہ افروز ہوتا ہے، اس کا زبان  
 سے اقرار اور دل سے انکار نفاق ہے، اس کی تصدیق کے بعد انکار ارتداد ہے، بدعتِ دین  
 میں کسی نئی بات کا پیدا کرنا جو دین کی بات نہیں، اس کو دین سمجھنا ہے، جہاں شرک کے جلنے  
 سے توحید، کفر کے جانے سے ایمان، نفاق کے جانے سے صدق، بدعت کے چھوٹنے سے سنت  
 حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو باب اول، عبادت و استغاثہ  
 ۲۔ فتوح الغیب مقالہ اول۔

چیزیں ضروری ہیں، امر الہی بجالائے، نہی سے اجتناب کرے، اور تقدیر پر  
 راضی رہے، اتنی بات یہاں سمجھ لینا ضروری ہے کہ امر الہی دو طرح پر ہوتا  
 ہے، ایک تشریعی، یہاں وظیفہ عبودیت یہ ہے کہ اس امر کو بجالائے، اور  
 امر نفی کی صورت میں ممنوعات سے بچے، دوسرا تکوینی، یہاں بندگی کا وظیفہ  
 یہ ہے کہ اس کو تسلیم کرے، رضا بالقضا کا اشارہ اسی طرف ہے، بالفاظ  
 دیگر جو حق تعالیٰ کہیں وہ کرے، اور جس طرح وہ رکھیں اس طرح رہے  
 اول عبادت ہے اور ثانی عبودیت، "ایسی ہی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے۔  
 اور ہر سنی میں کامیاب زندگی!"

اب دیکھو زندگی میں کامیابی دس رخ روئی کے لئے کن صفات کی ضرورت  
 ہے، جو حقیقی کی سیرت کا جزو نہیں، وہ حق تعالیٰ پر شدت سے ایمان رکھنا  
 ہے، ان سے شدت سے محبت کرتا ہے، کو وہ خیر مطلق اور قسودس  
 مانتا ہے، زندگی اور کائنات کا سبب وہ حق تعالیٰ ہی کو جانتا ہے اور لازماً  
 زندگی کو بھی خیر سمجھتا ہے، جب اس کے اعتقاد و اذعان کی رو سے زندگی  
 اچھی اور زندگی کے تجربات اچھے ہیں تو پھر وہ ان سے زندہ دلی اور  
 جوش کے ساتھ تعاون عمل کرتا ہے، قنوطیت دیاس کا اثر اس کے  
 قلب پر مطلق نہیں ہوتا، اس کی زندگی اور خارجی حالات میں توافق پیدا  
 ہو جاتا ہے، اس کو شادمانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

عارف رومی نے کہا تھا انما للتدبیر مبتدیل الہم اجبر۔۔ آدمی

لے تدبیر اس کے ہوا کچھ اور نہیں کہ مزاج ہی بلی جائے۔

میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ عملی چیز کائنات کے متعلق  
 اس کا نقطہ نظر ہے، مومن کا کائنات کے متعلق نقطہ نظر تم نے اوپر دیکھا  
 کہ کیا ہے اس کے نزدیک کائنات ایک قدوس و قادر و علیم مطلق ذات  
 کی تخلیقات کا منظر ہے، اسی یقین کی وجہ سے وہ زندگی میں کامیاب ہوئے  
 بغیر نہیں رہ سکتا اپنے مزاج کی اسی خوشگوار تبدیلی کی وجہ سے وہ جہاں  
 کے ناموافق عناصر کو اپنے موافق بنا لیتا ہے، چار سوئے کائنات اس کو  
 بدلے ہوئے نظر آتے ہیں، اقبال کے اس گمان کو صحیح کر دکھاتا ہے یہ  
 تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا  
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سویدل جائے

خالق کائنات درٓ کائنات سے حسن ظن رکھنے کی وجہ سے کائنات  
 بھی اس کے ارادے کے مطابق بن جاتی ہے۔ اور انا عند ظن عبدی ہوں  
 کی بشارت صحیح ہوتی ہے، وہ حق قلے سے راضی ہوتا ہے تو حق تعالیٰ  
 اس سے راضی ہوتے ہیں، رضی اللہ عنہم ورضوا عندہ کا قول سچا ہوتا  
 ہے، صاوق معدوق نے بھی لواس کی خبر دی تھی، ان اللہ دجالاً یرضی  
 برضائہم ویغضب بغضبہم کما انہم یرضوا برضائہ ویغضبوا  
 بغضبہ، بعض رجال اللہ ایسے بھی ہیں جن کی رضا سے حق تعالیٰ بھی راضی  
 ہوتے ہیں اور جن کے غصہ سے وہ بھی غضب فرماتے ہیں، جس طرح کہ

---

۱۔ یہ نوجوان کے رجسٹرڈ کاغذ ہے جو انگلستان کا ایک مشہور ادیب گزرا ہے۔



یہ سردان حق اپنے پیو کی رضا سے راضی اور اس کی ناراضی سے خند بھی  
ناخوش ہوتے ہیں، منتقی کی اسی شان کو دیکھ کر کسی عارف کے اس قول  
کی تصدیق ہوتی ہے۔

فارغ بنشین و غم مخور و شاد بزی  
ایں سنی لا الہ الا اللہ است!

مومن منتقی کے غیر ہیں وہ سب عناصر موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے  
وہ ایک حقیقی معنی میں کامیاب زندگی بسر کرتا ہے، انہی کا خیال رکھ کر  
ایم عزالی فرماتے ہیں کہ ”جس نے تقویٰ اختیار کیا، اس کے سارے  
ترددات رفع ہو گئے، اب وہ آرام سے جدھر چاہے سو رہے، بات اصل  
منتقی سے حاصل ہو گئی، اپنی تائید میں وہ قنادہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں  
کہ تدریت میں لکھا ہے کہ ”اے مرزئہ آدم تقویٰ اختیار کر اور جدھر چاہ  
سورہ“ مومن منتقی مجاہد ہوتا ہے، سو نہیں رہتا، مطلب یہ ہے کہ اس کو  
اپنی ناکامیابی کا اندیشہ نہیں، بالفاظ غوث العظمیٰ ساکن الجوارح، مطہن  
الیمان، مشروح الصدر، منور الوجه، عامر البطن، غنی عن الاشیاء، بکا القنا  
ہوتا ہے، لوگ اشیاء کی ملکیت کی وجہ سے خود کو غنی سمجھتے  
ہیں، وہ غنی بالثمن ہوتے ہیں، مجاہد منتقی اشیاء سے بے نیاز ہوتا ہے

لے ساکن الجوارح، دبا حرکت اعضاء، اور قلب مطہن اور فراخ و کشادہ سینہ، روشن چہرہ،  
باطن آباد اور تعلق خالق کی وجہ سے تمام چیزوں سے بے پروا۔ (نور العین، مقالہ ۶)

وہ خود خالق اشیاء کو رکھتا ہے، اس لئے وہ غنی عن الشئ ہوتا ہے اس کے  
 قلی و افتقار کی نسبت حق تعالیٰ سے ہے، وہ حق تعالیٰ کا فقیر ہے، اشیاء  
 سے غنی ہے، اس کے ہاتھ میں لا الہ الا اللہ کی شمشیر ہے، اسی لئے  
 وہ فرما زوائے موجودات ہے، اس فقیری ہی کی وجہ سے اس کو امانت ملی  
 اور اس امانت کی وجہ سے خلافت عطا ہوئی، اب وہ خلیفۃ اللہ ہے اسی لئے  
 ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفرین کار کشا کار ساز

(اقبال)

تم دنیوی نقطہ نظر سے کامیاب زندگی کس قسم کی زندگی کو قرار دیتے  
 ہو؟ وہی نہ جو آسمان و زمین کے برکات سے مالا مال ہو، دیکھو اس کا  
 حصول ایمان و تقویٰ پر منحصر ہے،

ولوان اهل القرى بگران بيشون کے رہنے والے

امنا و اذقوا لفتنا علیہم ایمان لے آئے اور پرہیز کرتے

برکات من السماء والارض تو ہم پر آسمان اور زمین کی برکتیں

دپ ۹ ص ۲۷ کھول دیتے

ان برکات کے ساتھ پھر نہ رنج نہ تعب ہوگا، نہ حزن و غم۔

لے ہرگز اندر دست اور شمشیر لاسٹ جملہ موجودات را فرماں رواست

(اقبال ۴)

فَمَنْ اتَّقَىٰ اصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
پس جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور  
درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ خوف  
ہے اور نہ عزں۔ (پ ۸ ع ۱۱)

کامیاب زندگی وہی ہے نہ بھیں ہیں دشمنوں سے محفوظیت حاصل  
ہے؛ بشرط تقویٰ اس کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

ان تصبروا و تقوا ولا  
یعنی تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ  
دشمنوں کو کید ہم شیئا۔  
رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو نہ اچھی  
فرزند پہنچائے گی۔ (پ ۳ ع ۳۷)

حق تعالیٰ کی میت اور اعانت کی وجہ سے متقی غالب و منصور ہوتا ہے۔  
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا  
اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا  
وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔  
ہے جو متقی ہوتے ہیں اور نیک کردار  
ہوتے ہیں۔ (پ ۱۳ ع ۲۲)

کامیاب زندگی وہ ہے جس میں سختیوں سے نجات ہو، رزق حلال ہو،  
وکیفہ اسی کا توفیق و وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے، مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ  
عَزَاجًا وَيُزِدْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْسَبُ۔ متقی کی نجات کی شکل حق تعالیٰ  
نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں اس کا گمان  
بھی نہیں ہوتا، (پ ۱۵ ع ۲۸) اس کے ہر کام کو آسان کر دیتے ہیں،  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا يُسْرًا (پ ۸ ع ۱۵)  
اخری نقطہ نظر سے بھی متقیوں ہی کی زندگی کامیاب ہوتی ہے،

کیوں کہ وہ حق تعالیٰ کے مہربان ہوتے ہیں إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ان ہی

کی عبادت قبول ہوتی ہے

إِنَّمَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْ

حق تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول

الْمُتَّقِينَ -

کرتے ہیں -

ان ہی کو حق تعالیٰ کے نزدیک بزرگی حاصل ہے -

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ

اللہ کے نزدیک سب سے بڑا

أَتْقَاكُمْ -

شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ

متقی یا پرہیزگار ہو -

(پ ۲۶ ع ۱۲)

ان ہی کے اعمال قبول ہوتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور

اللَّهُ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا

راستی کی بات کہو اللہ تعالیٰ

يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ

تمہارے اعمال کو قبول کرے گا

يَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ -

اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا

دوزخ کی آگ سے ان ہی کو نجات ملتی ہے -

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا

اور جو لوگ متقی ہیں حق تعالیٰ ان کو

بِمَا نَزَّلْنَاهُمْ لَا يَشْتَكِيهِمْ

کامیابی کے ساتھ نجات دیں گے

السُّوءُ وَلَا هُمْ يُعْذَرُونَ -

ان کو نہ تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ

عملیں ہوں گے -

(پ ۲۷ ع ۳)

ان ہی کے لئے بالآخر جنت ہے اور سامان عیش و عشرت -

رَبِّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ  
 متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور سامانِ  
 عیش میں ہونگے۔ (پ ۲۷۶)

بہر حال مومن متقی کے لئے دونوں جہاں کی خوشخبری ہے، دنیا کی خوشخبری  
 آرام و آسائش اور برکتیں، غم و خوف و غزن سے نجات، دشمنوں سے  
 حفاظت اور حق تعالیٰ کی معیت و نصرت اور آخرت کی بشارت مسابغہ  
 قبر، حساب و کتاب کا آسنان ہونا، یعنی جس میں حساب و قیامت سے رنگارنگ  
 اور بخشش خداوند غفار و تبار بہر روح و جان و جنت نعیم لہ

اَلَا اِنْ اَدْبَاۤءُ اللّٰهِ  
 لاَ خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلاَ هُمْ  
 یُعْذِبُوْنَ - الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا  
 وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَہُمْ الْبَشٰرٰی  
 فِی الْحَبِیۡطِ الدُّنْیَا وَ فِی  
 الْاٰخِرَةِ لَاحْتِیۡبٰتٌ یُّلٰکُمَاۤتُ اللّٰہِ  
 ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (ع ۱۴)  
 یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر  
 نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ  
 معذوم ہوتے ہیں اور نہ میں جو  
 ایمان لائے اور تقویٰ اختیار  
 کرتے ہیں، ان کے لئے دنیاوی  
 زندگی میں بھی اور آخرت  
 میں بھی خوشخبری ہے۔

دیکھو! یہی راز ہے جس کو پالینے کے بعد تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ کیوں  
 حق تعالیٰ جو ہمارے سولی ہیں، اور سب سے زیادہ غیر خواہ، سب اس لئے  
 پھیلوں کو ایک ہی و مثبت فرماتے ہیں اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی

لے راحت اور غذا میں ہیں اور آرام کی جنت (سورہ وائد)

اختیار کریں، اور ایسے، بناؤ تم زیادہ جانتے ہو کہ اللہ استعرا علم امر اللہ !  
 وصیت ان الفاظ میں ہوئی ہے، وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا لِكِتَابٍ مِنْ  
 قِبَلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّ ۚ (۱۶) واقعی ہم نے ان لوگوں کو  
 بھی حکم دیا تھا، جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ تعزی اختیار کرو۔  
 سو من کی خصلت تعزی ہے اور یہ خصلت دینا و آخرت دونوں کی جامع  
 ہے، اور سب کاموں کے لئے کافی !

سو من جانتا ہے کہ ع

عقل کو تقید سے فرصت نہیں

اسی لئے وہ عشق و ایمان پر اعمال کی بنیاد رکھتا ہے، الَّذِينَ آمَنُوا  
 اسْتَدْرَجُوا بِهِ، حق تعالیٰ کی تعزی سے متعلق یہ وصیت ہمیں مصطفیٰ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی زبان سے پہنچی ہے، ان کی بات کا انکار کفر اکن کی بات  
 میں شبہ تفاق، ان کی بات میں اپنی بات کا ملانا بدعت ہے اور ان کی بات کا  
 جوں کا توں مان لینا ایمان ہے، اس لئے گو

تعلیم پر نطفہ مغربی ہے یہ

ناداں ہیں جن کو مہتی غائب کی ہے تلاش

پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا

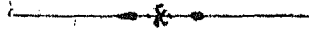
ہے شیخ بھی مثالی برہمن صنم تراش

موس پر بہناؤ ہے علوم جدید کی

اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

مذہب جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام  
 ہے جس سے آدمی کے تھیل کو ارتعاش  
 کہتا ہے فلسفہ زندگی کچھ اور  
 مجھ پر کیا یہ سرشدِ کامل سے رازِ فاش  
 باہر کمال اند کے آشفگیِ خوش است  
 ہر چند عقل کل شدہ بے جنوںِ مباش  
 (اقبالؒ)

۶ بیئے اسی جنون یا عشق کی اپنے مولا سے التماس کریں۔  
 عطا اسلاف کا جذبِ ودوں کر      شریکِ زمرد لا یجزوں کر  
 خد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں      مرے مولا یچھے صاحبِ جنوں کر  
 (اقبالؒ)



## مقبول عام بقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قاضی صاحب نے اپنی اس مشہور و معروف اور نہایت بلند پایہ تصنیف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے تمام پہلوؤں پر انتہائی بالغ نظری سے روشنی ڈالی ہے۔ واقعات کی تحقیق اور اسناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے سیرت کے علاوہ دوسرے اہم مذہبی مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن کہیم کا دوسرے آسمانی صحیفوں سے موازنہ اور غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ نے کتاب کی فادی حیثیت میں غیر متعذر اضافہ کر دیا ہے۔

## رحمۃ اللعالمین

قاضی محمد سلیمان منصور پوری  
سائز ۳۰x۷۰  
قیمت جھڈول لکھ دو روپے سوم  
صفحہ اول دوم سوم  
۳۸۰ ۴۷۸ ۴۸۸

## سیرت فاروق پر مستند و معتد کتاب

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہر آفاق سوانح حیات جس میں حمد حاضر کے متلاشیان نظام حکومت کے لئے واضح، اٹل، اور تجربہ شدہ قوانین کا ذخیرہ جمع ہے۔ اس کا مطالعہ تہذیب، تمدن اور معاشرت کے ہر تار و پود میں روشنی و منورہ کر دے گا۔

رضی اللہ عنہ  
الفاروق  
سائز ۳۰x۷۰  
قیمت چار روپے آٹھ آنے

## سیرت امام حسینؑ پر نفسیاتی زاویہ نگاہ سے

شہادت حسینؑ پر آج تک جو کچھ لکھا گیا وہ محض دردِ عالم اور سوز و گداز تک محدود رہا ہے۔ عہدِ حاضر کے انقلاب نے ہماری زندگی کے ہر پہلو کو شدید زخمی کر ڈالا ہے جس کے باعث ہم ذہنی خلجان کے مریض، شہادت حسینؑ کو بھی مشکوک نگاہی سے دیکھنے لگے تھے۔ مصنف نے اس کا اندازہ کرتے ہوئے واقعہ شہادت کو نفسیاتی زاویہ نگاہ سے روشنی ڈال کر نہ صرف ہلکے خشکوک کا ہی ازالہ کیا ہے بلکہ اس عظیم شہادت کے مقصد و ماہیت سے ابھی روشناس کر دیا ہے۔

حسینؑ ابن علیؑ  
مصنف  
پروفیسر حکمت شاہجمالی پوری  
سائز ۲۶x۱۴  
قیمت دو روپے

دہر کلب مجلہ خوب عیونت، رنگین ڈسٹ کوڈ اور گٹ آپ بے حدی ہے، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ناچران کتب کشمیری بازار لاہور۔ بندہ روڈ کراچی ۷۷



## قائد اعظم کی ناقابل فراموش خدمات پر تبصرہ

**ہمارا قائد** مصنفہ - ذیل کے سلیبی  
 دلائل عمل کو پوری طرح ذہن نشین کر لیں تو پھر اس کتاب کا  
 ضرور مطالعہ کیجئے۔ خود قائد اعظم کا ارشاد ہے کہ "اس  
 کتاب کی جس قدر شاعت کی جائے کم ہے۔ اس قرآن  
 کی تائید آپ پر واجب ہے۔"

## زندہ جاوید ہستیوں کا بے نظیر مرجع

**وید و شنید** یہ نکات سیاست، علم و معارف اور ادب کی زندہ جاوید  
 ہستیوں کا بے نظیر مرجع ہے۔ اس کے مطالعہ سے یوں  
 محسوس ہوتا ہے، جیسے ہم خود ان حضرات سے مصروف  
 گفتگو میں۔ اردو زبان میں اس موضوع پر اس انداز سے  
 اب تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔

## سبق آموز انداز میں سوانح حیات مصنفہ مولانا ذریعہ سیاح

**خاتم النبیین** حضرت مولانا ذریعہ سیاح نے ان کتب سوانح میں  
**بیشمار لغات** زندگی کے حالات نہایت سلیس اور روزمرہ زبان میں  
**ذکر النبیین** نہایت محنت و کاوش سے پوری تحقیق و جستجو کے بعد  
**اسد اللہ** پیر و علم کیے ہیں۔ عام اردو و خواں حضرات کے لیے اس سے  
**سیف اللہ** بہتر کتابیں دستیاب ہونا مشکل ہیں۔ خاص طور سے  
**سوانح عمری حضرت غوث الاعظم** اردو کی معمولی استعداد رکھنے والے حضرات کے  
 لیے ان کتابوں کا مطالعہ نہایت سودمند ثابت ہوگا۔  
**تذکرۃ الاولیاء** شرح فرید الدین عطار کی مشہور کتاب اردو ترجمہ جس میں تمام اولیاء اللہ  
 کے حالات نہایت عام فہم زبان و انداز میں لکھے گئے ہیں۔  
 (پیش رو) بجلد خوب صورت، رنگین ڈسٹ کوورڈ گٹ اپ معیار پر ہے)  
 شیخ غلام علی اینڈ سنز، تاجران کتب کشمیری بازار، لاہور، ہندوستان، لاہور

## سردین پاک ہند میں تحریک جیادین کی مکمل سرگزشت

فاضل مصنف کی بہت سالہ تحقیق و جستجو اور محنت شاذ کا شاہکار  
جہاد کبیر حضرت سید احمد بریلوی کے سوانح حیات جن کا مطالعہ ہمارے  
لیے نہ صرف غور و فکر کی راہیں کھولتا ہے بلکہ اس میں مسلمانوں کی  
اس جدوجہد کے خطوط بھی ملتے ہیں، جن کی صداقت کے چہرے  
پر غلطی ہائے سفامین کا بخار ہے۔ دین و سیادت کے مشترکہ  
کی یادگار۔ اس تہذیب میں اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کے لئے  
اہم و سناوید۔ اردو میں آج تک ایسی اہم تاریخی کتاب غالباً  
کوئی نہیں۔ نقوشوں سے مزین۔ مجلد۔

سید احمد شہید

مولانا غلام رسول

۲۰۳۰ صفحات

قیمت بارہ روپے

## بعض سرسبز و موز کے انکشافات کے ساتھ

ریس الامیر مولانا محمد علی صاحب جوہر مرحوم کی زندگی کے حالات  
نشیب و فراز دلکش اور دلچسپ عبارت میں پیش کئے گئے  
ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں ۷۵ سالہ تاریخ کے بعض سرسبز  
و موز کے بھی انکشافات کئے گئے ہیں جو آموزہ نسلوں کے لئے  
یقیناً مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

سیرت محمد علی

مصنفہ و ریس احمد جعفری

۳۰۰ صفحات

قیمت چھ روپے

## انشاپروازی کا منتہائے کمال

اس کتاب کا پہلا بیان انشائے پروازی کا منہا ہے کمال  
اور براہِ قریب نگاہی کی معراج ہے۔ دنیا کے ناقدین ادب کا یہ  
منتہی نقطہ ہے۔ کہ آج تک دنیا بھر کی کسی زبان میں کمال  
انازک کی سوانح عمری اس سے بہتر نہیں لکھی گئی  
ہے۔ بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ چھپا ایڈیشن  
لا حظ فرمائیے

کمال انازک

مصنفہ: استاد محمد یونس مصری

۳۰۰ صفحات

قیمت تین روپے آٹھ آنے

دہر کتاب مجلد، خوب صورت، رنگین ڈسٹ کوڈ و گٹ اپ میاری ہے  
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور، بلند روڈ کمرچی

اسید، رئیس احمد جعفری (نڈی) کے قلم سے اچھوتی کتاب

## نیابت ذکر الاولیاء

انسانی سیرت کی تعمیر کا ممد و معاون

عرصہ زمانہ سے بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے حالات و واقعات تذکرہ کی شکل میں شائع ہوتے رہے اور آج بھی موجود ہیں۔ لیکن آج جبکہ زمانے کے ساتھ ساتھ ماحولیات میں ایک شدید تغیری کیفیت ماحیت پیدا ہو گئی تو ضروری ہو گیا کہ ان تمام مکمل تبدیلیوں کے پیش نظر ایک تذکرہ از سر نو ترتیب دیا جائے۔ الحمد للہ کہ یہ دشوار مہم جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی کی سعی و کوشش سے سر انجام پائی اور ایک "نیابت ذکر الاولیاء" پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس کتاب کی ترتیب میں بہت سی ضروری مالاں کا سامنا کیا گیا ہے۔ جس میں سے

- چند صوفیاء ہیں اور یہی ملاحضہ اس تذکرے کی خصوصیات میں ہے۔
- حضرت فرید الدین عطارؒ کا تذکرہ "الاولیاء صرف" پیش نظر نہیں رکھا گیا، بلکہ اس کے مددگار بہ ترتیب حروف تہجی سب سے منظم رکھا گیا ہے اور اس کی مختلف طویل عبارت کو سہل اور مختصر کر دیا گیا ہے۔
- واقعات کو زیادہ اجاگر کرنے کے لئے کچھ اضافی عبارتیں بھی شامل کی گئی ہیں۔
- بہت سے بزرگوں اور صوفیوں کے حالات جو کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں ملتے، اس کتاب میں بسط و تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔

- اس کے دوسرے حصہ میں پاکستان اور ہندوستان وغیرہ کے مشہور صوفیائے عظام کے حالات و واقعات نہایت تحقیق و جستجو سے فراہم کئے گئے ہیں۔
- نام تلاش کرنے کی دشواری اور تقدیم و تاخیر کے پیش نظر تذکرہ کی ترتیب لحاظ حروف تہجی کی گئی ہے۔
- تاریخ تصوف پر ایک مستقل باب لکھ کر کتاب کے ابتدا میں شامل کیا گیا ہے۔
- پراسرارہ ۱۰۰۰ صفحات ۶۰ لم صفحات - مجلد قیمت سات روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز کتاب منزل، لاہور



CALL No. { ۲۹۹۹ } LIBRARY No. 19414  
 AUTHOR.....  
 TITLE.....

8 MAR 72

15 NOV 82

۲۹۹۹  
 ۱۹۴۱۴  
 ۲۹۹۹  
 ۱۹۴۱۴

DATE	NO.	DATE	NO.
2 JUN 1971	2544		
8 MAR 72	1362		
	840		
	2394		

MAULANA  
 AZAD  
 LIBRARY

-: RULES :-

ALIGANJ  
 MUSLIM  
 UNIVERSITY

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for textbooks and 10 P. per vol. per day for general books kept overdue.

